إِنۡ أُرِیۡدُ إِلَّا الۡإِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مارچ ۲۰۱۳ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ **البرہان** لاہور

جلد ۱۷، شمارہ ۳۔ مارچ ۲۰۱۳ء/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

مشمولات

○شذرات

بیچارہ اسلامی انقلاب۔ عقل نہیں تو نقل ہی کر لیجیے۔ — مدیر

ایران سے گلہ — ۲

○تعلیم و تربیت

کیا طلبہ کو سزا دینا جرم ہے؟ — ڈاکٹر محمد امین — ۴

شاہنواز فاروقی — ۸

○اسلام اور عصر حاضر

بش کا خطبۂ جمعہ — احمد جاوید — ۱۱

خواتین کے حقوق اور سزا کا تصور — ۲۲

○میڈیا

ترکی ڈراموں کی غلاظت — عافیہ زینب — ۲۳

○قرآن اور سائنس

فہم قرآن میں سائنس کا کردار — حافظ مشتاق احمد — ۲۶

○تزکیۂ نفس

دلوں کو حرص مال سے پاک کیجیے — مفتی محمد تقی عثمانی — ۳۰

○اسلام اور سائنس

سقوط اعتبار کا المیہ — محمد رشید — ۳۷

○استفسارات

جدید، جدیدیت، تجدید، تجدد میں فرق — ڈاکٹر محمد امین — ۵۱

○تبصرہ کتب

مغرب زدہ مسلمانوں کے نام از نثار احمد فتحی — مدیر — ۵۳

منہاج الفرقان بین علم اللہ وعلم الانسان — ۵۴

فکر و نظر

بیچارہ اسلامی انقلاب

ہم اس تقدس مآب " مغربی جمہوریت " کی شان میں گستاخی کے مرتکب نہیں ہو سکتے جسے ساحرانِ مغرب نے ہماری آنکھوں پر " دم " کر کے دین کا نام لیے بغیر دین سے زیادہ مقدس بنا دیا ہے اور نہ ہم اس " پاکستانی جمہوریت " کی شان میں بے ادبی کر سکتے ہیں جسے ہمارے آقایانِ جبہ و دستار نے " اجتہاد " کر کے، بلکہ بعض سیاسی علماء کی رائے میں " اجماع امت " سے، مغربی جمہوریت میں چند اسلامی جزیے داخل کر کے اسے مشرف بہ اسلام کیا ہے اور اب وہ ان کے نزدیک عین " اسلامی جمہوریت " ہے لیکن دینی سیاسی جماعتوں کے زعمائے ملت سے ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ سوال پوچھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ اس " انتخابی تماشے " سے جو اگلے چند ہفتوں میں اس ملک میں ہونے جا رہا ہے، اسلامی انقلاب کیسے تولد ہوگا جب کہ:

۱۔ آپ نے سیاسی جماعت اپنے مسلک کی بنیاد پر بنائی ہے جو اس بات کی گارنٹی ہے کہ دوسرے مسالک والے آپ کو ووٹ نہیں دیں گے اور یوں آپ کبھی بھی ملک گیر سطح پر جیت نہیں سکتے۔

۲۔ آپ مغرب پرست اور سیکولر ایجنڈا (یا برائے نام اسلامی ایجنڈا) رکھنے والی طاقتور سیاسی جماعتوں سے " سیٹ ایڈجسٹمنٹ " کے نام پر تعاون کر کے، بغیر کسی پروگرام پر اتفاق یا مطالبے کے، اگر چند نشستیں جیت بھی لیں گے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ آپ کے چند آدمی اسمبلی میں تقریریں کر کے اپنی جماعت کو " زندہ " رکھنے کی کوششیں جاری رکھ سکیں گے۔

لہذا ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ کی اس خالی مٹھی میں سے اسلامی انقلاب کا " کبوتر " کیسے اڑے گا؟

عقل نہیں تو نقل ہی کر لیجیے

امریکہ سے ایسوسی ایٹڈ پریس، واشنگٹن پوسٹ اور نیو یارک ٹائمز جیسے معتبر جرائد نے سعودی عرب کے صحراء میں قائم اس امریکی فضائی اڈے کی تصاویر اور تفصیلات چھاپ دی ہیں جہاں سے ڈرون اڑ کر پاکستان، افغانستان، یمن، صومالیہ وغیرہ پر قاتلانہ حملے کرتے ہیں اور اس بات پر معذرت

کی ہے کہ وہ امریکی مفاد کی خاطر اس اہم خبر کو دو سال تک چھپاتے رہے ہیں ۔اس وقت ہم اپنے "برادر اسلامی ملک" اور "خادم الحرمین الشریفین" کی شان میں کوئی بے ادبی نہیں کرنا چاہتے جو امریکی غلامی کا حق ادا کرنے میں کمر تک دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں بلکہ پاکستانی میڈیا سے ،اس کے ارب پتی مالکان سے اور ان چرب لسان اینکر پرسنز سے جو ہر وقت الفاظ کے طوطا مینا اڑاتے رہتے ہیں، یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ میں اتنی حمیت و جرأت نہیں کہ اپنے ایمان وعقیدے کی بات کر کے "مولوی" اور "دہشت گرد" کہلوا سکیں یا اپنی عقل استعمال کر کے اپنے معاشرے کی روایات واقدار کی حمایت کر سکیں تو امریکی میڈیا کی نقل کر کے اتنا ہی کر لیں کہ جس ملک کا نمک کھاتے ہیں اس کے مفادات کا لحاظ کر لیں اور پاکستان کا مفاد اور استحکام اس نظریۂ پاکستان سے بڑھ کر کس چیز سے ہو سکتا ہے جس کی بنیاد پر یہ ملک وجود میں آیا تھا اور جس کے بانی نے اسے اسلام کی تجربہ گاہ قرار دیا تھا۔

ایران سے گلہ

"اتحادِ امت"، "اتحاد بین المسالک" اور "اتحاد بین العلماء" کا جو ڈھول ہم نے گلے میں ڈال رکھا ہے اور وقتاً فوقتاً اسے بجاتے رہتے ہیں اور ساتھ اپنے اہل سنت بھائیوں کے طعنوں کے تیر بھی کھاتے رہتے ہیں کہ اس شخص کو دیکھو کہ "رفض حق" کے داعیوں کو جمہور مسلمانوں کے لیے قابل قبول بنانے میں جتا ہوا ہے کہ ہم "شیعہ سنی بھائی بھائی" اور "کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہو" کے نعرے لگاتے رہتے ہیں اور اس بناء پر بھی ایران کا احترام اور تعریف کرتے رہے ہیں کہ وہ عالمِ اسلام کا واحد ملک ہے جو امریکی طاغوت کے سامنے سر اٹھا کر اور سینہ کھول کر کھڑا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہمیں ایران سے گلہ ہے ،گلہ اس بات کا کہ وہ اہلِ شام کی شامِ غم کو طول دے رہا ہے اور آمر، جابر اور ظالم بشار الاسد حکومت کی پر زور حمایت کر رہا ہے۔ اگر آپ قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہو تو آپ کو حق کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر آپ حسین رضی اللہ عنہ کو مانتے ہو تو پھر آپ کو مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے کہ حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں مظلومانہ شہید ہوئے۔ اگر آپ صرف اس لیے آمر، ظالم اور جابر بشار الاسد حکومت کا ساتھ دیتے ہو کہ وہ شیعہ ہے تو پھر ہم کروڑوں اہلِ سنت سے آپ کے لیے اخوت اور بھائی چارے کا مطالبہ کس بنیاد پر کریں؟

تعلیم وتربیت

ڈاکٹر محمد امین

کیا طلبہ کو سزا دینا جرم ہے؟

قومی اسمبلی کا پاس کردہ حالیہ قانون غیر اسلامی ہے

کوئی تہذیب جب غالب ہوتی ہے تو اس کے افکار دوسری قوموں پر شعوری اور لاشعوری طور پر غالب آتے چلے جاتے ہیں اور محکوم ذہنوں کو بسا اوقات پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کی گیم کھیل رہے ہیں۔ یہ بات ہمیں اس حوالے سے یاد آئی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے اپنے پانچ سالہ دورِ اقتدار کے آخری دن (۱۵ مارچ ۲۰۱۳ء) کو ایک بل پاس کیا کہ جو استاد بچوں کو جسمانی سزا دے گا وہ قید اور جرمانے کی سزا کا مستحق ہوگا۔ ہمیں اس پر ہرگز اصرار نہیں کہ طلبہ کو ضرور ہی سزا دینی چاہیے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس دماغ نے یہ نظریہ گھڑا ہے کہ بچے کو سزا دینا جرم ہے اس کے پیچھے حکمت اور فلسفہ کیا ہے؟ اور یہ کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیمات اور مسلم روایت کیا ہے؟

اسلامی نقطۂ نظر

اس ضمن میں قرآن وسنت سے جو نقطۂ نظر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ جس فرد کے ذمے جو کام سونپا گیا ہے یا جسے شریعت نے اس کا مکلف ٹھہرایا ہے وہ اسے بطریق احسن انجام دے اور یہ کہ ماتحتوں اور زیردستوں کے ساتھ نرمی، شفقت اور محبت کا معاملہ کیا جائے اور اس کی بجا آوری میں سختی نہ کی جائے۔ اصول یہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور اسی پر سرکار دوجہاں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں، بچیوں اور خادموں میں سے کسی پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے جس کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا اپنے کسی ماتحت کو سزا دے رہا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے بھی منع فرماتے مثلاً ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے خادم کو مار رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی الوسع اپنے زیردستوں کو خوش کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کرتے تھے مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا تماشا دکھایا، ان کے ساتھ دوڑ لگائی اور ایک انصاری بچی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تولیت میں تھی اس کی نکاح کی تقریب تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کے سلسلے میں اس روز گھر سے باہر تھے تو واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا نکاح ہوگیا؟ بتایا گیا کہ ہاں۔ پھر پوچھا کہ رخصتی کے وقت کوئی گیت وغیرہ بھی گائے؟ بتایا گیا کہ نہیں۔ فرمایا کر لیتے تو اچھا تھا کہ خوشی کا موقع تھا اور انصار

کو یہ بات پسند ہے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور آپ کی خدمت کے لیے وقف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کسی کام سے بھیجتے تو میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگ جاتا اور وہ کام بھول جاتا جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا اور اس میں تاخیر ہو جاتی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مجھے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شفقت انسانوں سے آگے بڑھ کر جانوروں تک ممتد تھی چنانچہ ایک دفعہ ایک اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بلبلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کے مالک کو اسے بروقت چارہ نہ دینے اور اس پر زیادہ بوجھ لادنے پر متنبہ کیا۔

تو خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت کا بنیادی اصول زیر دستوں کے ساتھ نرمی، شفقت اور محبت کا ہے اور جو اساتذہ بطور عادت طلبہ کو بے رحمانہ طریقے سے مارتے ہیں، خصوصاً دینی مدارس میں اور حفظ قرآن کی کلاس میں ہر طالب علم کی پٹائی کرتے ہیں، وہ غلط کرتے ہیں۔ لیکن بطور استثناء اگر کوئی فرد اپنے ذمہ واجب الاداء فرض سے مسلسل کوتاہی برتتے اور پیار محبت کے سارے گُر آزما لیے جائیں اور وہ پھر بھی نہ بدلے، نہ سنورے تو اس فرد کی اصلاح اور بہتری کے لیے اور اس معاشرے کے نظم اجتماعی کو درست رکھنے کے لیے جس کا وہ ایک فرد ہے، ناگزیر ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ سختی کی جائے۔ اگر وہ نرمی سے نہ سنورے تو اسے ڈانٹا جائے تنبیہ کی جائے اور اگر وہ پھر بھی اپنی اصلاح نہ کرے تو مجبوراً اسے سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ شریعت کے اس اصول کا اطلاق ہمیں دو جگہ نظر آتا ہے ایک میاں بیوی کے درمیان اور دوسرے والدین اور اولاد کے درمیان
۔

پہلے کی تفصیل یہ ہے کہ خاندان، معاشرے کی بنیادی اور انتہائی ضروری اکائی ہے جس پر صالح معاشرے کا دارومدار ہے اور اس میں لیڈر شپ رول اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے اور انتظامی لحاظ سے عورت کو اس کے تابع رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو پیدا کیا ہے اور ان کے اندر مخصوص صفات رکھی ہیں اور انہی کے مطابق ہر دو کا الگ الگ دائرہ کار رکھا ہے لہذا خاندان کے انتظامی یونٹ کی صحیح اور نارمل کارکردگی کے لیے ضروری ہے کہ بیوی خاوند کی بات مانے اور اس کی تابعداری کرے اور مرد کی ذمہ داری ہے کہ اس سے حسن سلوک کرے اور اس سے شفقت ومحبت کا برتاؤ کرے۔ لیکن اگر خدانخواستہ دونوں میں نہ بن آئے اور بیوی خاوند سے سرکشی پر اتر آئے اور اس سے تعاون نہ کرے، اس کی بات نہ مانے تو ظاہر ہے گھر نہیں چل سکتا لیکن شریعت کا منشا یہ ہے کہ گھر نہ ٹوٹے اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف پر تو بالکل نہ ٹوٹے چنانچہ پیار محبت کا طریقہ ناکام ہونے پر اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں خاوند کو حق دیا ہے کہ وہ بیوی کو ڈانٹے ڈپٹے، پھر بھی بات نہ بنے تو اس کا بستر الگ کر دے اور اگر وہ پھر بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو وہ اسے مار بھی سکتا ہے تاکہ وہ اپنا رویہ تبدیل کر لے۔ لیکن اگر عورت کسی صورت اپنی اصلاح نہ کرے تو اسے حالت طہر میں ایک طلاق

دینے کا حکم دیا اور عورت و مرد کے خاندان کے بڑوں کو موقع دیا کہ وہ دونوں میں صلح وصفائی کے لیے مداخلت کریں۔ اس مداخلت سے یہ بات بھی واضح ہوجائے گی کہ کہیں مرد کا رویہ ہی تو غلط نہیں ہے۔ اور یہ تو قانونی صورت ہے، عام طور پر مسلم گھرانوں میں یہ ہوتا ہے کہ اگر میاں بیوی میں جھگڑا ہو تو دونوں کے والدین اور بڑے بہن بھائی مداخلت کرتے ہیں اور صلح صفائی کی کوشش کرتے ہیں اور طرفین کو سمجھاتے ہیں اور جس کی غلطی ہو اس کا بھی پتہ چل جاتا ہے اور اگر خاندانی سطح پر مسئلہ حل نہ ہو تو عورت کو بھی خلع کی صورت میں علیحدگی کا حق ہوتا ہے اور وہ تین مہینے کی عدت کے دوران بغیر نکاح کیے واپس آسکتی ہے اور اگر تین مہینے گزر جائیں تو دوبارہ نکاح کر کے اس شوہر کے پاس آسکتی ہے۔ یہ ساری تفصیل دینے کا مطلب یہ ہے کہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ قرآن حکیم صرف انتہائی ناگزیر حالت میں مرد کو عورت کو مارنے کی اجازت دیتا ہے اور اس کی ضرورت وحکمت یہ ہے کہ شریعت کسی نہ کسی طرح میاں بیوی کے خاندانی یونٹ کو بچانا چاہتی ہے۔

دوسری مثال بچوں اور طلبہ کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے والدین کو حکم دیا کہ ۷ سال کی عمر میں بچوں کو نماز کی ترغیب دینا شروع کر و لہذا اکثر مسلمان والدین بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جانا شروع کر دیتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، بعض والدین بچوں کو نماز پڑھنے پر انعام دیتے ہیں اور اگر گھر کے بڑے نماز کے عادی ہوں تو انہیں نمار پڑھتے دیکھ کر بچوں کو بھی نماز کی عادت پڑ ہی جاتی ہے۔ بہر حال آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر اس ترغیب اور مشاہدے سے بھی بچہ نماز کا عادی نہ بنے تو ۱۰ سال کی عمر میں اسے سمجھانے بجھانے کے بعد مارا بھی جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز بندے اور رب کے درمیان تعلق کا ایک سمبل ہے۔ یہ طے کرتی ہے کہ بندہ زندگی رب کی مرضی کے مطابق گزارنا چاہتا ہے یا اپنی اور شیطان کی مرضی کے مطابق۔ اگر وہ رب کی اطاعت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے (اور اسی کو اسلام کہتے ہیں) تو اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ وہ اس کی بڑائی کو تسلیم کرے، اس کے آگے جھکے جس کا سب سے بڑا مظہر نماز ہے لہذا نماز نہ پڑھنا معمولی خرابی نہیں بلکہ بہت بڑی خرابی ہے اور اسلام چاہتا ہے کہ جو بچہ مسلم معاشرے کا رکن بننے جا رہا ہے وہ اس بڑی خرابی میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اگر بچہ ۱۰ سال کی عمر میں بھی نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر پڑھاؤ۔

قارئین کرام! یہ ہے اسلام کا فلسفہ اور حکمت کہ وہ اصلاً پیار، محبت اور شفقت سے سمجھانے کا علمبردار ہے لیکن فرد کی اصلاح کے لیے اور معاشرے کی بہتری کے لیے اگر مجبوری ہو تو بدرجۂ آخر اسے جسمانی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ اب آئیں مغرب کے فلسفے اور حکمت کی طرف۔

مغرب کا نقطۂ نظر

مغرب کی جو تہذیب اس وقت وہاں غالب ہے اس کا پہلا اصول تو یہ ہے کہ انسان اس امر کا فیصلہ کہ اسے زندگی کیسے گزارنی ہے، خود کرے گا۔ کوئی بیرونی ہستی، کوئی خدا، رسول، قرآن نہیں کرے گا۔ وہاں فیصلہ کن کردار انسان کا اور اس کی عقل کا ہے۔ ان کا زندگی گزارنے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ فرد آزاد ہے یعنی لامحدود طور پر آزاد ہے اور اس کی آزادی اور تکریم پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا سوائے اس کے کہ جو وہ خود چاہے یا اس کے منتخب کردہ نمائندے ریاست کی پارلیمنٹ کے ذریعے جس کا ظہار کریں۔ اور وہ چونکہ اس آزاد فرد کے نمائندے ہیں لہذا انہیں بھی اصولاً وہی کچھ کرنا ہے جو فرد چاہتا ہے۔ گویا مغرب میں انسان خود مختار ہے بلکہ مختار مطلق ہے، وہ کسی خدا کا عبد نہیں ہے، کسی رسول کا مطیع نہیں ہے، کسی منزل من اللہ کتاب کا پیروکار نہیں ہے۔ وہ آزاد ہے جو چاہے کرے۔ چاہے تو لباس پہنے، نہ چاہے تو نہ پہنے یا جتنا چاہے پہنے۔

اس مادر پدر آزادی اور انسانوں کی پارلمینٹ کو افراد کی مرضی کے مطابق حلال و احرام کا اختیار دینے کا نتیجہ ہے کہ مغرب کی پارلیمنٹوں کی قانون سازی کی رو سے فرد کو شراب پینے کی اجازت ہے، جوا کھیلنے کی اجازت ہے، بغیر نکاح کیے عورت مرد کو اکٹھا رہنے اور بچے پیدا کرنے کی اجازت ہے۔ ہم جنس شادی کی اجازت ہے یعنی عورت عورت سے اور مرد مرد سے شادی کر کے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ لڑکا اور لڑکی اپنی مرضی اور خوشی سے جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں یعنی زنا کی اجازت ہے لیکن کسی کے ساتھ زبردستی کرنے کی اجازت نہیں یعنی زنا بالرضا حلال ہے لیکن زنا بالجبر حرام ہے۔ بچے جوان ہو جائیں تو ماں باپ سے ان کا کوئی قانونی تعلق نہیں رہتا اور وہ عموماً یہ کرتے ہیں کہ کرسمس کے موقع پر والدین کو وِش کارڈ بھجوا دیتے ہیں۔ بوڑھے اولڈ ہومز میں رہتے ہیں جہاں ریاست ان کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ والدین اور اساتذہ کو بچوں کو مارنے کی اجازت نہیں۔ اگر والدین یا استاد بچے کو ماریں تو بچوں کو پولیس کو اطلاع دینے کی اجازت ہوتی ہے اور شکایت کرنے پر پولیس والدین یا استاد کو پکڑ کر پولیس سٹیشن لے جاتی ہے۔ اس پالیسی کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ فرد اگر معاشرے کے خلاف جرائم کرے جیسے چوری، ڈاکہ، قتل وغیرہ تو بھی اسے کم سے کم سزا دی جاتی ہے اور اسے سزائے موت تو دی ہی نہیں جا سکتی کہ اس کی زندگی اور آزادی تو عزیز تر اور قیمتی ترین شے ہے۔ جیل میں بھی مغرب میں مجرم کو وہ سہولیات دی جاتی ہیں جو ہمارے ہاں کے صرف امیر یا اعلی متوسط طبقے کے افراد کو گھروں میں میسر آتی ہیں یعنی ڈبل روٹی، گوشت، فریج، ٹی وی، ٹیلیفون، اے سی وغیرہ۔

قارئین کرام! ہم نے اسلامی اور مغربی تہذیب اور بچوں اور عورتوں کے ساتھ ان کے حسن سلوک اور سزا کی حدود کے بارے میں ایک تقابلی مطالعہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ ہماری جس بیوروکریسی نے مسودہ قانون بنایا اور ہمارے جن سیاستدانوں نے اس بل کو پاس کیا کہ طلبہ کو سزا دینا جرم ہے اور جو استاد اس جرم کا مرتکب ہو وہ جیل جائے یا جرمانہ بھگتے یا دونوں سے لطف اندوز ہو، وہ

اسلامی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں یا مغربی نقطہ نظر سے۔ وہ اسلامی تعلیمات اور وتہذیب کو سامنے رکھتے ہیں یا مغربی اصول واقدار کو؟

جہاں تک مسلم روایت کا تعلق ہے تو ہم پنے اسلاف میں سے ایک واقعہ متقدمین میں سے اور ایک متاخرین میں سے سنا کر اس بحث کو سمیٹتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ میں اپنے استاد کا عبید (حقیر ترین غلام) ہوں چاہے تو مجھے بیچ ڈالے یا چاہے تو (اپنی خدمت کے لیے) اپنے پاس رکھے اور دوسرا یہ کہ دیوبند کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے کہ ایک طالب علم کی مسلسل غفلت، عدم توجہی اور کوتاہی سے تنگ آ کر مولانا صاحب نے طالب علم کی پٹائی کر دی۔ اس نے واویلا کرتے ہوئے کہا "استاد جی! خدا کے لیے مجھے نہ ماریں۔" استاد جی نے ہاتھ روکتے ہوئے کہا" ابے احمق! تجھے خدا ہی کے لیے تو مار رہا ہوں ورنہ میری تم سے کیا دشمنی ہے؟ تجھے والدین نے اتنی دور سے علم دین سیکھنے کے لیے بھیجا ہے اور تم ہو کہ پڑھائی کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے ہو ماروں نہ تو کیا کروں؟"

شاہ نواز فاروقی

(۲)

ہمارے زمانے کی ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اکثر انسانوں کے پاس زیر بحث موضوع کے سلسلے میں درست معلومات نہیں ہوتیں۔ درست معلومات ہوں بھی تو لوگ اطلاع کو علم بنانے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس سے بھی بڑی مشکل یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے پاس وہ چیز نہیں ہوتی جسے عرفِ عام میں تناظر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہماری اکثر گفتگوئیں خلا میں شروع ہوتی ہیں، خلا میں آگے بڑھتی ہیں اور خلا میں ہی ختم ہو جاتی ہیں اور اہم اکثر درست تفہیم تک نہیں پہنچ پاتے۔ اب مثلاً ہمارے ابلاغ عامہ کے بعض ذرائع اس بات کو دھا کہ خیز بنانے میں لگے ہوئے ہیں کہ اساتذہ کو طلبہ کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آنے کا حق ہے یا نہیں؟ ان ذرائع کا اپنا خیال ہے کہ اساتذہ کو طلبہ کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آنے کا خاص طور پر ان کی پٹائی کا حق نہیں ہے اور اگر ماضی میں اساتذہ کو اس بات کا حق تھا بھی تو اب یہ حق نہیں ہونا چاہیے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اساتذہ کا ماضی میں بھی طلبہ کی پٹائی کا حق نہیں تھا لیکن یہ بات کہنے والوں کو اس بات کا شعور نہیں کہ ماضی بعید اور ماضی قریب میں اساتذہ اور طلبہ کے تعلق کی نوعت کیا تھی۔

آج سے سو دو سو سال پہلے نہیں آج سے چالیس سال پہلے بھی بچے معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری تھے۔ پورا معاشرہ کھلے دل کے ساتھ انہیں اپناتا تھا اور انہیں own کرتا تھا۔ اس معاشرے میں گھر کے اندر ہی نہیں باہر بھی رشتے ہی رشتے تھے، کوئی بچوں کا چاچا تھا، کوئی ماموں تھا، کوئی بڑا بھائی تھا۔ چنانچہ گھر والے ہی

نہیں باہر والے بھی بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ سکتے تھے اور بچے جس طرح ماں باپ اور حقیقی دادادادی، نانا نانی، چاچا چاچی، اور ماموں ممانی کی ڈانٹ ڈپٹ پر برانہیں مانتے تھے، اسی طرح وہ باہر والے دادا ، دادی، چاچا، ماموں کی ڈانٹ ڈپٹ کا بھی برانہیں مانتے تھے۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ ڈانٹ ڈپٹ توہین اور تضحیک کے لیے ہوتی بھی نہیں تھی۔ اس بات کا تعلق اصولی اعتبار سے اس خیال کے ساتھ تھا کہ بچوں کا علم اور تجربہ کم ہے اور وہ اپنے اچھے برے کو ٹھیک طرح نہیں پہچانتے۔ چنانچہ ڈانٹ ڈپٹ انہیں صحیح اور غلط پر متوجہ کرنے کے لیے ہوتی تھی۔ جہاں تک اساتذہ کا تعلق تھا تو وہ ماں باپ کے کردار کی توسیع تھے۔ ان کا کام مٹی کو سونا بنانا اور پودے کو پیڑ میں ڈھالنا تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ اس کام کا یا تو کوئی معاوضہ ہی نہیں لیتے تھے یا لیتے تھے تو اتنا کم کہ اسے معاوضہ کہنا درست نہیں۔ وہ بچوں کو محبت اور علم عطا کرتے اور جواب میں عزت و احترام کے طالب ہوتے تھے۔

بلاشبہ مدارس اور اسکولوں میں پٹائی کی نوبت آتی تھی مگر اس پٹائی کا معاملہ ایٹم بم والا تھا۔ ایٹم بم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ استعمال کے لیے نہیں ہوتا صرف خوف پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اساتذہ کی پٹائی کا معاملہ بھی یہی تھا۔ وہ اصولی طور پر خوف پیدا کرنے کے لیے تھی اور اس کا استعمال شاذ ہی کیا جاتا تھا اور صرف ان طلبہ پر کیا جاتا جو نالائق ہوتے تھے۔ اس پٹائی کے دو فائدے تھے، ایک یہ کہ نالائق طلبہ بھی کچھ نہ کچھ لائق ہو جاتے تھے اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ نالائقی کی طرف مائل طلبہ کو نالائقی اختیار کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ یہاں دہرائے جانے کے لائق بات یہ ہے کہ اس سارے عمل کی بنیاد گہرا تعلق تھا ڈانٹنے یا مارنے والے، تعلق کے ساتھ ڈانٹتے اور مارتے تھے اور ڈانٹ کھانے اور مار سہنے والے تعلق کے ساتھ ڈانٹ سنتے اور مار سہتے تھے۔

ہمارے زمانے کا مسئلہ یہ ہو گیا ہے کہ اس میں تعلق نہ صرف یہ کہ ٹوٹ گیا ہے بلکہ اس کی طلب بھی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اب استاد کیا ماں باپ بھی بچوں کو مارتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ مغرب میں ماں باپ کی مار پیٹ جرم بن چکی ہے۔ ہمارے یہاں ابھی ماں باپ کی مار پیٹ جرم تو نہیں بنی مگر اس میں جرم کا تأثر پیدا ہونا شروع ہو چکا ہے۔ ہمارے زمانے میں ایسے تعلیمی ادارے موجود ہیں جو اپنے اسکول کو اسکول نہیں کمپنی کہتے ہیں۔ ان اسکولوں کے مالکان کے لیے اساتذہ، اساتذہ نہیں ہیں ان کے ملازم ہیں اور بچے طلبہ وطالبات نہیں ، ان کے گاہک ہیں۔ ظاہر ہے کہ مالک، ملازم اور گاہک کے مراسم میں تعلق پیدا ہو ہی نہیں سکتا اور جہاں تعلق نہ ہو وہاں مار پیٹ کیا ڈانٹ بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ ہمارے زمانے میں اساتذہ کی اکثریت کے لیے استادی کوئی ذمہ داری اور کوئی روحانی واخلاقی منصب نہیں ہے بلکہ درس وتدریس محض ایک پیشہ اور روزگار ہے

۔ بدقسمتی سے یہ بات اب طلبہ کو بھی معلوم ہوچکی ہے چنانچہ طلبہ اور اساتذہ کا تعلق اب تجارتی ہے۔ یہ تعلق اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ماضی میں اساتذہ طلبہ کو کیوں اور کیسے ڈانٹتے تھے یہاں تک کہ مار بھی لیتے تھے اور طلبہ اس کا برا نہیں مانتے تھے۔

بلاشبہ درس وتدریس کے سلسلے مین ترغیب، خوف سے زیادہ مؤثر ہے لیکن بعض انسانوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے لیے ترغیب مؤثر ہی نہیں ہوتی۔ ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں جرم وسزا کا کوئی تصور ہی نہ ہوتا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بعض لوگ اس لیے جرم نہیں کرتے کہ وہ سلیم الفطرت ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو جرم سے محض اس لیے باز رہتے ہیں کہ انہیں سزا کا خوف ہوتا ہے۔ ہمارے دین میں انسانی عمل کی تین بنیادیں ہیں۔ یعنی کچھ لوگ اس لیے نیکی کرتے ہیں کہ وہ جنت کے طالب ہوتے ہیں اور جنت کی ترغیب ان کی فطرت کا غالب رجحان ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نیکی اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں جہنم میں جانے کا خوف ہوتا ہے اور یہ خوف ان کی فطرت کا غالب رنگ ہوتا ہے۔

اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ترغیب اور خوف کی بجائے نیکی محض اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ ان محرکات میں سے سب سے اچھا محرک اللہ کی رضا کا حصول ہے مگر ان محرکات میں بہرحال خوف کا محرک بھی موجود ہے اور اس کی ضرورت سے کوئی صاحب شعور انکار نہیں کرسکتا۔ تاہم استاد اور طالب علم کے تعلق میں خوف کے عنصر کو ایک دو فی صد سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ خوف ہو یا محبت، ترغیب ہو یا تحریص اصل چیز تعلق ہے۔ تعلق ہو تو ہر چیز مؤثر ہوتی ہے تعلق نہ ہو تو خوف بھی غیر مؤثر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے سے متعلق سب سے اہم سوال یہ ہے کہ استاد اور طلبہ کے روایتی تعلق کو غیر

تبدیلیٔ ایڈریس

تحریک اصلاح تعلیم اور اس کے مختلف شعبوں کے دفاتر اے۔ اے فیصل ٹاؤن لاہور سے **۶۹ ۔ بی فیصل ٹاؤن**، لاہور منتقل ہوگئے ہیں۔

فون: 042-3516 9469　　موبائل: 0300-460 9522

ویب: www.safa.edu.pk　　ای میل: info@safa.edu.pk

روایتی ماحول میں کیسے بحال کیا جائے؟اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ پانی ہمیشہ فراز سے نشیب کی جانب بہتا ہے۔

چنانچہ اصل بات یہ ہے کہ اساتذہ کو قربانی دیتے ہوئے طلبہ کے لیے خود کو نمونہ بنانا ہوگا۔آج بھی یہ تجربہ ہمارے سامنے ہے کہ جو اساتذہ حقیقی معنوں میں استاد ہوتے ہیں بڑے سے بڑے طالب علم بھی نہ صرف یہ

احمد جاوید صاحب مربی اور محقق صوفی ہیں اور تزکیۂ نفس پر ان کے مضامین البرہان میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ ماہر نفسیات اور فلسفی بھی ہیں اور مغربی فکر و فلسفہ پر بھی ان کے کئی خطبات "البرہان" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ادیب، شاعر اور دانشور بھی ہیں۔ ان کی آزاد نظموں کا ایک مجموعہ حال ہی میں "شہرزاد" (کراچی) نے "آندھی کا رجز" کے عنوان سے شائع کیا ہے اس مجموعہ میں سے ایک نظم "صدربش کا خطبۂ جمعہ" قارئین البرہان کی ضیافتِ طبع کے لیے حاضرِ خدمت ہے۔

سلاست پسندوں اور کمزور اردو والوں سے معذرت کہ فلسفی ادیبوں کے لیے آسان اور عام فہم زبان میں لکھنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ مدیر

کہ ان کی عزت کرتے ہیں بلکہ ان سے زیادہ سیکھتے بھی ہیں (بشکریہ آفاق)۔

اسلام اور عصر حاضر　　　　احمد جاوید

صدربش کا خطبۂ جمعہ

جارج ولیم بُش ساری دنیا کے حاکم ہیں ،آں جناب کے ہم وطن آپ کو مسخرہ صدر کہتے ہیں، جبکہ کویت ،قطر اور بحرین میں آپ کے اسمِ مبارک کے معاً بعد زرّیں قوسین میں جل جلالہ کتابت کیا جاتا ہے۔سعودی عرب اور پاکستان میں سرکارِ عالی کا نام علیہ السلام کہے بغیر نہیں لیا جاتا ،لیکن افغانسان ،عراق اور ایران میں آپ کی مُقدس شبیہ کو پھٹے پرانے جوتوں پر ٹانک کر متعفن زمینوں کی سیّاحی کی جاتی ہے۔۔۔۔

یقین تو نہیں آتا مگر بعض ثقہ حضرات سے مروی ہے کہ حال ہی میں آپ نے قہر وجلال کا ناطق مجسمہ بن کر مسجد الجابر الصباح میں جمعے کا خطبہ دیا اور نماز ختم ہونے تک مسجودیت کی کُرسی پر آتشیں ستون کی طرح مستوی رہے۔ذیل میں وہ تاریخی بلکہ تقدیری خطبہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ سب اہلِ ایمان عبرت پکڑیں اور اپنے ہدایت یافتہ حکام کی پیروی میں ثابت قدم رہیں۔

"شروع کرتا ہوں میں اپنے نام سے

جس کی گونج نے خداؤں کو بہرا کر دیا ہے

تعریف تو بس میرے لیے ہے

کیونکہ میں خالق ہوں آگ کا

جو آواز کو بھی راکھ کر دیتی ہے

اور وہ کلہاڑی بھی میری ایجاد ہے

جو اُس درخت کو چیرتی ہے

جس کی چھاؤں میں پیغمبروں کا ترکہ ہے

میں نے قدیم الواح پر منقّش سورج کو

کُھرچ کر آفاق بدر کر دیا ہے
اور اساطیری مدار پر گرداں سیاروں کو
ہر کہکشاں سے حذف کر دیا ہے
میں وہ ہوں کہ وقت کو ضبط کر کے
دن سیکڑتا ہوں اور رات پھیلاتا ہوں
تاریخ کے زہریلے الاؤ سے اٹھنے والا دُخانی بگولا
میری ہی مخلوق ہے
اے حقیر لوگو!
تمہاری مناجاتوں نے آسمانوں کو آلودہ کر رکھا ہے
میرے سوا کون ہے جس کی حمد بدبدائی جائے
میرے غدار بندو، سُن رکھو!
میں نے پروردگاری کا مُشبّک سائبان گرادیا ہے
جس کی لجلجی چھاؤں میں تم تکبر کا پودا کاشت کرتے تھے
ایک جبار مگر مچھ کی طرح میں تمہاری دلدل نگل جاؤں گا
جس میں تم پہاڑ اگانے کے لیے کنکر بویا کرتے ہو۔۔۔۔
تم بلبلے میں گھات باندھ کر
طوفان شکار کرنے چلے ہو!
ہٹ جاؤ
میرا کانٹا سمندر کے حلق تک پہنچتا ہے
اور میرا جال گردابوں سے بھرا ہے

تم بیمار چھپکلی کی طرح

اس بُھر بُھری دیوار سے کب تک چپکے رہو گے
میری روٹی کڑوی لگتی ہے
اور اپنے خداوند کا خالی دسترخوان
کھرکھراتے سینے سے لگائے
ایک بے معنی شکر کی گردان کرتے رہتے ہو!
تم کسی بہت ہی ویران ساحل پر مرنے والے کیکڑوں کی ڈھیری ہو
جنھوں نے سکرات کے آخری لمحے میں
نیلمیں آسمان، شیریں دریا،
اور روشن دن کی خریداری کی تھی

مجھے تمہاری حماقتوں پر رونا آتا ہے
لیکن خداوندگار رویا نہیں کرتے
جو آنکھیں آگ سے صیقل ہوتی ہیں
ان کے اندر آنسو بہانے والے غدود نہیں ہوتے
بہرحال، اب میں تمھیں مرتے وقت ایسا اسراف نہ کرنے دوں گا
تم نے میرا بازار نہیں دیکھا
تمہاری دو ٹکے کی زندگی بھی کافی ہے
اونٹوں کا اک گلہ انبار کرنے کے لیے
کون کرسکتا ہے فیاضی میں میری برابری
فقیروں کی آزادی، مسکینوں کی غیرت،
میں یہ کھوٹے سکے بھی نہیں پھیرتا

مہربانی کے اس سودے کی قدر کرو

اور ناشکری کے اڑیل ٹٹو سے اتر آؤ

میری غضب ناکی سے ڈرنے کی کوشش کرو

یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو جان رکھو!

میں طغیانی کی ماں کا آخری شوہر ہوں

سلام ہو مجھ پر

کہ گھورے پر بھنبھناتی مکھیوں

اور جوہڑ پر کندہ کائی کو بھی نظر انداز نہیں کرتا

میں روٹی کو روٹی دیتا ہوں

اور پانی کو پانی

مجھ سے مانگ کر تو دیکھو

میں سورج کو کمبل دوں گا،

سمندر کو نمک اور پہاڑ کو چھتری۔۔۔۔۔

زمین کا پیٹ بھر دیا ہے میں نے

لذیذ آدم زادوں سے

واقعی میری بڑی شان ہے

کویت کے سارے مینڈک، قطر کے تمام بجّو،

اور بحرین کے سب گرگٹ مجھ پر ایمان لا چکے ہیں

اے برف دھونکنے والے ہٹ دھرمو!

کیا تم ان سے بڑے مسلمان ہو؟

ذرا پاکستان کے حاکموں سے پوچھو

اُس اجرِ عظیم کے بارے میں
جو اُنہیں میری قدم بوسی کے طفیل ملا ہے
کیا یہ معجزہ نہیں کہ میرے سب خانہ زاد
سرِ دست رسوائی کی موت سے محفوظ ہیں
بچارے مسلمانوں کے پاس بس ایک خواب رہ گیا ہے
میرے وفادار کتوں کی لاش پر تھوکنے کا خواب!

دراز ریش گڈریوں کا مضحکہ خیز لشکر
جس کی چراگاہوں پر تھوہر لیپ دی گئی ہے
جس کی بھیڑیں جوؤں کے بوجھ سے ہانپ رہی ہیں
اس کے سورما مرگھٹ کے چیونٹوں کی طرح مجھے للکارتے ہیں
میں ان باتونی جرثوموں کو خردبین سے دیکھتا ہوں
اور ان کا رجز سننے کو لیے
اپنی الوہی سماعت کو کام میں لاتا ہوں
مبارزہ طلبی کا شور
اس مینڈھے کی چیخ ہے
جسے قربان گاہ کی ٹھنڈی سل پر پچھاڑا گیا
آلِ صباح کو بشارت ہو کہ مابدولت نے
انھیں اپنی بندگی میں قبول کیا
اپنے سابقہ رب سے بغاوت کی
اُس کی ناقدری نہ کی جائے گی
اور ان میں سے ہر ایک اُس خاص الخاص پٹے سے نوازا جائے گا

جس پر میں بدست خود مہر خوشنودی ثبت کرتا ہوں

غیر حاضر سامعین بھی سُن لیں
زمین کی چادر پر جگہ جگہ دھبے پڑ گئے ہیں
افغانستان، عراق، ایران، شام۔۔۔۔
اور ہاں پاکستان بھی!
یہ سب غلاظت کے جزیرے ہیں
میں ان پر سے، ناک پر رومال رکھ کر،
اونچی لہر والے زخّار سمندر بہاؤں گا
اگر کسی نے مزاحمت کی تو میرے پاس ایک آگ ہے
جس کا شعلہ پورے قامت سے بلند ہو جائے تو
آسمان پر چنگاریوں کی جھڑی لگ جاتی ہے

مسلمانو! تم ناشکری کی بساند سے بھر چکے ہو
تمہاری دُعاؤں کے غبار آلود خیمے
میرے صحرا پر ثبت ہیں
تمہاری خیالی کشتیاں
میرے دریا پر چسپاں ہیں
وہ ہوائیں میری ہیں
جنھیں سرقہ کر کے
تم حق کا جھنڈا لہراتے ہو
وہ ستارے میرے ہیں

جنھیں ورغلا کر
تم تقدیر کا زائچہ بناتے ہو
طیش کا خاردار شعلہ بہت دراز قد ہے
پھر بھی میں نے تحمّل کی چادر چھوٹی نہ پڑنے دی
مگر تمہاری سرکشی
جہنم کی ترائی میں واقع بانس کا جنگل ہے
جسے زردرُو خطیب سیراب کرتے ہیں

بہت ہو چکا، بس!
اب میں اس منحوس باڑ پر روک لگاؤں گا
اس سے پہلے کہ تمہاری نمک حرامی
میرے دستِ رزاق کو کہنی تک مفلوج کر دے
میں تمہاری تھوتھنیوں پر بھوک کے تھوبڑے کس دوں گا

بدنصیبو تمہارے بچے موت کے گہوارے میں پالے جائیں گے
تمہاری بستیاں منسوخ نقشوں میں بسائی جائیں گی
تم تاریخ کے گنبد کی مُتروک گونج بن کر
ہر لفظ کے کے حافظے سے خارج کر دیے جاؤ گے
آوازوں کا اندوختہ خاموشی ہے
جسے تم نے بے دردی سے ضائع کر دیا
میں نے تمہارا انجام ہر تختی پر رقم کر دیا ہے
کوئی ٹھکانا ہے میری طاقت کا

میں لفظوں کو مارتا اور جلاتا ہوں

ہاں تو میں فرما رہا تھا
سکوت، شور کا سَت ہے
یہ قول زریں حفظ کر لو
ایمان، ضمیر، قوم۔۔۔
سب کے اچھے دام مل جائیں گے
ورنہ گاہکی کا نقاب میرے چہرے پر بارہے
یہ اُتر گیا تو پھر آگ تم سے مذاکرات کرے گی
اُس کے آگے دکھانا خطاب کے جوہر۔۔۔

لکھ لو!
تمہاری دُنیا نابودی کی منزلیں حفظ کرے گی
ریگسان، سراب میں غرق ہو جائیں گے
پہاڑ سنگسار کیے جائیں گے
اور آسمان ضبط کر لیا جائے گا
میرا قہر پاگل سانڈ ہے
مت دکھاؤ اسے سُرخ رومال!
ورنہ تم راکھ کے پیڑ کی چھاؤں میں رہو گے
اور اسی کا پھل کھاؤ گے

ایران کے مقبرہ ساز شیخی خورے اچھی طرح جان لیں

یہ اوندھائے ہوئے زرد پیالے
میرا راستہ نہ روک سکیں گے
میرے جلال کی آندھی گرز لے کر چلتی ہے

اور پاکستانی بھی سن لیں
میری بوری میں سوراخ ہوا
تو ان کے تمام بل میرے کتوں کو از بر ہیں
اور مجھے چوہوں کا بہت تجربہ ہے
خاص کر ایسے چوہوں کا جن کے دانت جھڑ چکے ہیں
یوں بھی پاکستانیوں کی اکثریت پوپلی ہے
ان کا حاکمِ اعلیٰ میرا طوق یافتہ ہے
اسی لیے میں ان کی بڑھکوں پر منہ کھول کر ہنستا ہوں
تا کہ یہ لوگ میرے نکیلے دانتوں کی زیارت کر لیں
اور اپنی اوقات کی طرف پلٹنے کا راستا بھی نہ بند کر پائیں

اے اسامہ، اے ظواہری۔ اے زرقاوی!
تم مُردہ بجلیاں ہو، پتھرائے ہوئے طوفان۔۔۔
مجھے تم پر ترس آتا ہے وہی سحابِ سیاہ تمہیں زنجیر کرے گا
جو تمہاری زادبوم ہے
جس قوم کے لیے تم نے اپنی زندگی
ڈراؤنے خوابوں، کی سرنگ میں جھونک دی
دیکھا میں نے اُس کو
گوشت چڑھی تازہ ہڈی کے روز ینے پر
شکاری کتوں کی فوج بنا دیا

جوتمہاری بوسونگھتی پھر رہی ہے
تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو یقین رکھو
قبر میں صرف تمہارا نام جائے گا، جسم نہیں

ان سر پھروں نے جس قوم کو
عظمت کے آفاقی قرطاس پر نقش کیا تھا

یونیورسٹی پروفیسرز توجہ فرمائیں

تحریک اصلاح تعلیم مغربی فکر وتہذیب اور جدید سوشل اور نیچرل سائنسز کا اسلامی تناظر میں تنقیدی مطالعہ کی خواہاں ہے اس کے لیے ایسے یونیورسٹی اساتذہ ہی کام کر سکتے ہیں جو نہ صرف جدید علوم میں مہارت رکھتے ہوں بلکہ اس شعبے میں اسلامی نقطۂ نظر سے بھی بخوبی آگاہ ہوں۔ ایسے اساتذہ ومحققین سے درخواست ہے کہ وہ تحریک سے رابطہ فرمائیں تاکہ مل کر کام کی منصوبہ بندی کی جا سکے۔

البرہان چونکہ زیادہ تر علوم اسلامیہ کے پروفیسر صاحبان کے پاس جاتا ہے لہذا ان سے درخواست ہے کہ وہ ہماری یہ درخواست اپنے ان دوست احباب تک پہنچائیں جو سوشل سائنسز (تاریخ ،جغرافیہ ،فلسفہ ،قانون، معاشیات، سیاسیات،نفسیات،ادب تعلیم،سوشیالوجی ،جنڈر سٹڈیز ،بزنس وغیرہ)اور نیچرل سائنسز(فزکس ،کیمسٹری بایالوجی، باٹنی،سپیس سائنسز(فلکیات)،ٹیکنالوجی وغیرہ)یونیورسٹیوں میں پڑھاتے اوران میں تحقیق کرتے اور کراتے ہیں اور اسلام اور مغربی افکار وتصورات کے تقابلی مطالعے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ مدیر

آج وہ قوم
اُس قرطاس کو چبائے ڈال رہی ہے
میری ہشکار رائگاں نہیں جاتی، دیکھ لو
آج مسلمان اپنے ہی سائے پر غراتا ہے
اور اپنی ہی گردن پر دانت گاڑتا ہے
میں نے اسے باور کرا دیا ہے
کہ تمہارا بہترین راتب
تم خود ہو!

میرا خطبہ تمام ہوا
اب میں جلالت کے منبر پر جلوس کروں گا میری بڑائی کو سراہو
اس کرسی کی طرف منہ کر کے نماز کھڑی کرو
تحقیق میں ہوں سب سے بزرگ
سب سے اونچا
سب پر غالب ـ ـ ـ ـ ـ
قربانم شوید!

اسلام اور مغرب مدیر

خواتین کے حقوق اور سزا کا تصور

اقوام متحدہ میں مسلم ممالک کو شکست

اقوام متحدہ میں حال ہی میں خواتین کے حقوق اور ان کے خلاف تشدد کے حوالے سے ایک ڈیکلریشن پر دستخط ہو گئے ہیں جس میں ایران، لیبیا، سوڈان اور دوسرے مسلم ممالک رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور ویٹیکن اور روس بھی ان کی حمایت کر رہے تھے کیونکہ مجوزہ ڈیکلریشن میں خواتین کو اسقاط حمل اور ہم جنسیت کا "حق" دیا گیا تھا اور بیوی کی مرضی کے بغیر خاوند کے حق زوجیت کو Rape یعنی زنا بالجبر گردانا گیا تھا۔ نیویارک میں پچھلے دو ہفتے سے دنیا کے ۱۹۳ ممالک سے تقریباً ۶۰۰۰ ہزار غیر حکومتی گروپ اور تنظیمیں جمع تھیں جو عورتوں کے حقوق کی حامی تھیں جبکہ سیکنڈے نیوین ممالک خصوصاً ناروے اور ڈنمارک نے شمالی امریکہ اور یورپی ممالک کو ساتھ ملا کر ایک مضبوط دھڑا بنا رکھا تھا جو عورتوں کے مندرجہ بالا حقوق منوانے پر مصر تھا۔ دو ہفتے کے شدید بحث و مباحثے کے بعد طرفین اپنے اپنے موقف کو نرم کرنے پر راضی ہو گئے اور ڈیکلریشن پر دستخط کرنے پر آمادہ ہو گئے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"The commission urges states to strongly condemn all forms of violence against women and girls and to refrain from invoking any custom, tradition or religious consideration to aviod their ,traditionor religious considreration to avviod their obligation with respect to elimination"

یعنی "خواتین حقوق کمشن" رکن ریاستوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خواتین اور لڑکیوں کے خلاف ہر قسم کے تشدد کی مذمت کریں اور اس کے خاتمے میں کسی رواج، روایت اور مذہبی تعلیم کو آڑے نہ آنے دیں۔

روزنامہ ڈان (۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء) کے مطابق امریکی حکومت نے اس ڈیکلریشن کی منظوری پر اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا ہے اور اسے خواتین کے حقوق کے تحفظ اور انہیں تشدد سے بچانے کی کوششوں میں اہم سنگ میل قرار دیا ہے۔

اقوام متحدہ کے شعبۂ خواتین کی سربراہ نے اس واقعہ کو تاریخی قرار دیتے ہوئے اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ مصر کے الاخوان المسلمون نے اس اعلامیے کو غیر اسلامی قرار دیا تھا لیکن مصری نیشنل ویمن کونسل کی صدر مروت

طلاوی نے یہ کہہ کر اس کے حق میں ووٹ دیا کہ عورتوں کے حقوق کی خاطر بین الاقوامی کوششوں کی حمایت ضروری ہے۔

نوٹ: اس موضوع پر البرہان کے تبصرے کے لیے دیکھیے موجودہ شمارے کا **مضمون "** کیا طلبہ کو سزا دینا جرم ہے

میڈیا عافیہ زینب

ترکی ڈراموں کی غلاظت

ترکی کے سوپ سیریل بالآخر پاکستان میں بھی وارد ہو گئے ہیں۔ اس سے قبل ڈب شدہ ترک مزاحیہ خاکے وقتاً فوقتاً عرب ٹی وی چینلز پر نشر ہوتے رہے ہیں اور اب یہ پاکستان میں اپنی مارکیٹ بنا رہے ہیں جس کی تازہ ترین مثال مزاحیہ ڈرامہ سیریل "نور" ہے۔ اسلامی شعائر و اقدار کی دھجیاں اڑاتا یہ سیریل عرب ذہنوں کو متاثر کرنے کے بعد اب پاکستان کے لیے آزمائش بنا ہوا ہے۔

اس سے قبل بھی وطن عزیز میں اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے غیر ملکی ڈرامے نشر کیے جاتے رہے ہیں مگر اس مرتبہ مختلف چینلز ناظرین کو متاثر کرنے کے لیے جس طرح اندھا دھند یہ ڈرامے دکھانے پر کمر بستہ ہیں، وہ ہمارے باشعور طبقے کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ عوام میں ان مادر پدر آزاد ڈراموں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اس بات کی غماز ہے کہ ٹی وی کے ناظرین کس حد تک سستے، چھچھورے اور سطحی مواد کے عادی ہو چکے ہیں۔ عرب دنیا کے روایتی علماء کی طرف سے ان ڈراموں کے خلاف پہلا فتویٰ ترکی سوپ سیریل کی ۱۰۰ اقساط مکمل ہونے پر آیا تھا اور اس پر بھی خاصا احتجاج ہوا تھا کہ آخر اس فتنہ کی نشاندہی کرنے میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی؟ اب اگر وہاں یہ حالات ہیں تو بعید از قیاس نہیں کہ ہمارے ملک میں شاید کسی کو دو تین سو اقساط مکمل ہونے یا کئی ڈرامے نشر ہونے کے بعد ہی کوئی آواز اٹھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈرامہ سیریل نور ۲۰۰۵ء میں خود ترکی میں بری طرح فلاپ ہو چکا ہے مگر جب عالم عرب کے سیٹلائٹ نیٹ ورک MBC نے ۲۰۰۸ء کے موسم گرما میں ڈرامہ سیریل Gumus کو عربی قالب "نور" میں ڈھال کر پیش کیا تو راتوں رات اس کی مقبولیت کے ریکارڈ ٹوٹ گئے اور میڈیا کے مطابق ہیروئن کے رومانوی کردار اور ساحرانہ شخصیت کے باعث بہت سے خاندانوں میں طلاق کی نوبت آ گئی۔ ان سوپ سیریلز میں نہ صرف نامناسب حد تک مرد و زن کا اختلاط دکھایا جاتا ہے بلکہ زنا، شراب، جوئے اور اغوا برائے تاوان کی بھی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ اکثر ڈراموں میں محیر العقول واقعات پیش آتے ہیں۔ مثلاً اسی ڈرامہ سیریل میں کئی اقساط میں شادی شدہ ارب پتی کی مردہ گرل فرینڈ نہ صرف معجزاتی

سکول میں بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی کمی پوری کرنے کے لیئے

قرآن وحدیث اور فقہ

پر مشتمل ایک نصابی کتاب

نرسری تا دوم، ۴ کتب کی سیریز طبع ہو چکی ہے اور خریدی جا سکتی ہے۔ قیمت مکمل سیٹ ۳۴۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

سوم اور اسکے بعد کی کتب زیر طبع ہیں۔

تالیف: محمد سلیم اختر

پرنسپل پائینیر اسلامک پبلک سکول واہ کینٹ

اہم خصوصیات

ان کتابوں میں بچوں کی عمر، استعداد اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے:

- قرآن حکیم کی مختصر سورتوں، آیات اور جملوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔
- ایسی مختصر احادیث منتخب کی گئی ہیں جن کا تعلق آداب، اخلاقیات اور عقائد سے ہے۔
- فقہ میں آدابِ زندگی، نماز، روزے اور بچے کی عمر کے اعتبار سے جو شرعی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں، ان کا ذکر ہے۔

یہ کتب مستند علماء کرام اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کی گئی ہیں اور پہلے اپنے سکول میں ان کا عملی تجربہ کیا گیا ہے۔ گھر میں والدین خود بھی اپنے بچوں کو پڑھا سکتے ہیں۔

آرڈرز اور مزید تفصیلات کے لیئے رابطہ کیجئے:

پائینیر اسلامک پبلک سکول

سی بی ۲۰۹ لالہ زار واہ کینٹ

موبائل نمبر: 0300-8500243

طور پر زندہ ہو کر اٹھ بیٹھتی ہے بلکہ اپنے ہمراہ ہیرو کی ناجائز اولاد بھی منظر عام پر لے آتی ہے۔

نیویارک ٹائمز کے مطابق یہ ڈرامے درحقیت وہ مرچ مصالحہ پیش کرتے ہیں جس کے امریکی ناظرین ہمیشہ سے شائق رہے ہیں، تاہم ترک ٹی وی ڈائریکٹروں نے ان تمام کرداروں اور واقعات پر اسلامی رنگ وروپ چڑھا کر ناظرین کے لیے نئی دل چسپی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ تاہم ترکوں کی نسبت عرب عوام اس سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ متاثرین کے اس ہجوم میں اب پاکستانی عوام بھی شامل ہو رہے ہیں۔ سعودی علماء کے فتاویٰ کے باوجود غزہ شہر میں کسی ایک دکاندار نے بھی ڈرامہ سیریل نور کی طرز پر بننے والے نیم عریاں لباس دکانوں سے نہیں ہٹائے۔ اب اگر یہ پڑھ کر آپ کا خون کھول رہا ہے تو جگر تھام کر بیٹھیں کہ ابھی آگے بہت کچھ ہونے والا ہے۔

اخبار وجرائد کے مطابق ڈرامہ سیریل نور کے خوبرو ہیرو کی وجہ سے مشرق وسطی میں خاندانی تنازعات اور طلاقوں کی شرح میں اضافہ ہوا ہے، یہ رول ترک اداکار کیوان نے ادا کیا۔ مہمند نام کے اس کردار نے (اصل ترک ڈرامے میں اس کا نام مہمت ہے)[جو غالباً "محمدؐ" کی بگڑی یا بگاڑی ہوئی صورت ہے۔ مدیر] بہت سی عرب خواتین کو مسحور کر کے ان کے حقیقی شوہروں سے انہیں متنفر کر دیا۔ سعودی اخبار کے مطابق دمام کے ایک رہائشی نے اپنی بیوی کی مسلسل شکایات سے تنگ آ کر اسے طلاق دے ڈالی۔ اس کی بیوی کو گلہ یہی تھا کہ اس کا شوہر نہ تو مہمند کی طرح خوبرو ہے اور نہ ہی اتنا رومانوی۔ اسی طرح ایک اردنی مسلمان مرد نے پنی بیوی کو یہ بات سن کر طلاق دی کہ اس کی سب سے بڑی خواہش مہمند کے ساتھ ایک رات گزارنا ہے چاہے پھر اسے موت ہی آجائے۔ اسی طرح شامی ویب سائٹ کے مطابق اس جذباتی ڈرامے کی وجہ سے حلب میں چار طلاقیں ہوئیں۔ اسی طرح ایک طلاق شمالی افریقہ میں رپورٹ ہوئی جب کہ ایک جوڑے میں طلاق کی وجہ بیوی کا خوابگاہ میں مہمند کی بڑی سی تصویر لٹکانا تھا، ان ترک ڈراموں میں بیانگ دہل زنا، مرد وزن کے اختلاط اور قریبی رشتہ داروں میں ناجائز تعلقات کے سپنوں کا پرچار کیا جاتا ہے۔ اسقاطِ حمل کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جاتی ہے بلکہ اسے عورتوں کا کیریئر بنانے کے لیے نہایت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ نیم عریاں ملبوسات، مغربی کلچر، منشیات اور شراب نوشی کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دے کر معاملات میں مختار کل دکھایا جاتا ہے اور مرد کی قوامیت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اب اس کے مقابلے میں جہاں تک پاکستانی میڈیا کا تعلق ہے، وہ اپنے ناظرین کی دلچسپی برقرار رکھنے میں ناکام ہو چکا ہے اور اب ٹی وی کے کرتے دھرتوں کا انحصار انڈیا، ہالی وڈ اور ترکی ڈراموں پر ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ پچھلے کچھ عرصے میں بعض عرب ملکوں میں بہت اچھے پروگرام بھی پیش کیے گئے جنہیں ڈب کر کے نشر کرنا مفید ہو سکتا ہے۔ ان ترکی ڈراموں کو دراصل خطرے کی گھنٹی سمجھنا چاہیے۔ یہ سوپ سیرل پاکستان میں اس مخصوص طبقے کے ناپاک عزائم کو پورا کرنے کے لیے نشر کیے جا رہے ہیں جو ہماری بچی کھچی اخلاقی اور مذہبی اقدار کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔

ایک ایسی قوم کو جو ہر حالت میں اپنے ملک میں نفاذِ شریعت کے لیے کوشاں ہو، اس صورتِ حال کا سخت اور فوری نوٹس لینا چاہیے۔ ہماری یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ میڈیا کے اس بودے بہانے کو رد کر دیں کہ یہ ڈرامے عوامی اصرار پر دکھائے جا رہے ہیں۔ ہمیں طاغوتی طاقتوں کے چیلوں کے ان ہتھکنڈوں سے بچ کر شریعت اسلامی کا پرچم بلند کرنا ہے اور عریانی وفحاشی کے اس سیلاب میں رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دکھائے ہوئے راستے پر ثابت قدم رہنا ہے۔ کچھ کر گزرنے کا وقت یہی ہے (بشکریہ ایقاظ)۔

قرآن اور سائنس

حافظ محمد مشتاق ربانی☆

فہم قرآن میں سائنس کی اہمیت

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں پانچ علوم قرآن بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک تذکیر بآلاء اللہ ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ان علوم کی ضرورت پڑتی ہے، جو علماء کرام عموماً قرآن فہمی کے ذیل میں بیان کرتے ہیں، لیکن قرآن حکیم کی وہ آیات جو تذکیر بآلاء اللہ سے تعلق رکھتی ہیں ان کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ ہم جدید سائنسی علوم (Modern Natural Sciences) کے بارے میں علم رکھیں۔ یہ قرآن کے امدادی ومعاون علوم میں سے ہے۔ اس کے بغیر ہم "قرآن حکیم" کے اس خاص حصے کی تفہیم سے قاصر رہیں گے، اور وہ آیات ہمارے لیے متشابہات کا درجہ رکھیں گی۔ نیچرل سائنسز کی پانچ بڑی شاخیں ہیں۔ کیمسٹری (کیمیا)، بیالوجی (حیاتیات) فزکس (طبیعیات)، ارضیات اور فلکیات۔ پھر ان علوم کی آگے کئی ذیلی شاخیں ہیں۔ ان علوم کے بارے میں جاننے سے قرآن فہمی میں مدد ملے گی۔ نیچرل سائنسز سے متعلق آیات سے مقصود اگرچہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے لیکن ان سے سائنس کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے اور قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ ان کے بارے میں ہے۔ ابن تیمیہ الحرانیؒ کا اصول تفسیر کے بارے میں ایک رسالہ ہے، جس کا اردو ترجمہ خالد بن القاسم انصاری (بھوپال، انڈیا) نے کیا ہے۔ وہ اس رسالہ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید میں دینی تعلیم کے علاوہ ایسے تاریخی حقائق بھی بیان کیے گئے ہیں جن کا علم اصلاح نفوس کے لیے ضروری ہے مثلاً عالم کی تکوین میں حضرت آدمؑ کی

پیدائش۔۔۔‘‘

قرآن حکیم کا یہ پہلو ایسا ہے کہ نیچرل سائنسز کے بارے میں جتنی تحقیقات سامنے آئیں گی، اسی قدر قرآن حکیم کے اس پہلو کی بہتر تفسیر ہو سکے گی۔ قرآن کریم کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے **"لاتنقضی عجائبه"** کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہ ہو سکیں گے۔ علوم کا یہ باب حواس، مشاہدہ اور تجربہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ علم کوئی اعتقادی یا شرعی نہیں ہے، جس میں ہم سلف سے اختلاف نہیں کر سکتے اس میں بہر حال اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ ایسی تشریحات کے وقت اس بات سے مت ڈریں کہ یہ میں بہر حال اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ ایسی تشریحات کے وقت اس بات سے مت ڈریں کہ یہ

☆ قرآن اکیڈمی، لاہور

تاویل تو ہمارے فلاں بزرگ کی کہی ہوئی بات کے خلاف ہے۔ مولانا مودودیؒ ’’رسائل ومسائل‘‘ (حصہ دوم) میں **"لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين"** کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ایسے معاملات میں قدیم مفسرین سے اختلاف کرنا قابل اعتراض نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ علم الاشیاء کے متعلق انسان کی واقفیت جتنی بڑھے گی اس کے بیانات کا مطلب پہلے سے زیادہ صحیح طریقے سے سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔ یہ کوئی احکام شرعیہ یا امور اعتقادیہ نہیں ہیں جن میں سلف کا فہم زیادہ معتبر ہو‘‘۔

ان نیچرل سائنسز اور دیگر علوم کے مطالعے سے کائنات کے راز کھلیں گے جس کا نتیجہ قرآن کی حقانیت پر منتج ہو گا۔ ارشاد ہے **"سنريهم ايتنا فى الافاق و فى انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق"** (**حم السجدة:۵۳**) یعنی ہم عنقریب انہیں انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے (یعنی ایسے علمی حقائق ان پر منکشف کریں گے) جن سے ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برحق ہے۔ (انه) میں ضمیر ہ کا مرجع مفسرین کے نزدیک قرآن حکیم بھی ذکر کیا گیا ہے۔ آیت میں نشانیوں سے مراد یہی نیچرل سائنسز ہیں۔ کسی نے نہایت اچھی بات کہی ہے کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام Word of God ہے اور کائنات اللہ تعالیٰ کا فعل Work of God ہے۔ اس بات کو یوں مربوط کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنے فعل کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے، لہذا اس کے کلام کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کی کائنات کے بارے میں غور و فکر کریں اور قرآن مجید کے اس حصے کا جو نیچرل سائنسز سے تعلق رکھتا ہے، تجرباتی علوم کے ساتھ نہایت محنت سے قرآن حکیم کا مطالعہ کریں۔ مولانا ابوالحسن علی

ندوی،ؒ مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ کی کتاب ''مشکلات القرآن'' یا ''قرآنی مطالعہ بیسویں صدی میں'' کے پیش لفظ میں اسی بات کا تذکرہ کرتے ہیں ''کہ مختلف مفسرین نے اپنے اپنے دور کے اعتبار سے قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرکے اس دور کے فتنوں کا ازالہ کیا اور اب نیا دور ہے جس میں تجرباتی علوم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اس میں ضرورت ہے کہ جدید معلومات اور تحقیقات کی روشنی میں اعجاز قرآن اور قرآن کی صداقت کو عیاں اور آشکارا کیا جائے ۔ یہ کام وہی کرسکتے ہیں جو نیچرل سائنسز پر دسترس رکھتے ہوں ۔اگر ایسے اہل علم مہیا نہیں ہیں تو قرآن حکیم کی تفہیم کے اس حصے میں خلا باقی رہے گا'' ۔(تلخیصاً)

یہی وہ سب سے بڑا میدان ہے جس میں تفسیر بالرائے کی گنجائش ہے اوران امور کے بارے میں قدیم مفسرین کی آراء کو حتمی نہیں کہا جاسکتا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور تحقیقات میں اضافے سے یہ رموز قرآنی نکھرتے رہیں گے ۔قرآن حکیم نے اپنے اندر تدبر کرنے کی دعوت دی ہے اور نیچرل سائنسز سے متعلق آیات دراصل تدبر کا سب سے زیادہ حق رکھتی ہیں ۔ یہ طے ہے کہ قرآن حکیم کوئی سائنس کی کتاب نہیں ہے۔اس کا مقصد قوانین طبعی وتکوینی کی تعلیم دینا نہیں ہے بلکہ یہ ایک کتاب ہدایت ہے۔طبیعیات و مادیات اس میں ضمناً اور تمثیلاً آئے ہیں اوران علوم کے بارے میں اشارات بیان ہوئے ہیں جو تحقیقات واکتشافات کے لیے ٹھوس بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور جن کی مدد سے اہل علم اپنی

وہ جو ڈائیلاگ سے بھاگ گئے

ہم سید خالد جامعی صاحب کی تحریروں کو البرہان میں دلچسپی سے پڑھا کرتے تھے لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ صاحب جو اپنے رسالے "ساحل" کراچی میں دوسروں پر انتہائی تیز وتند اور بے رحمانہ تنقید کیا کرتے تھے وہ اپنے موقف پر محمد رشید صاحب کی مدلل اور عادلانہ تنقید کا سامنا نہیں کرسکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں ۔

اسی طرح جن مولانا صاحب نے دینی مدارس کی تعلیم کے بارے میں آپ کی اصلاحی تجاویز سے اختلاف کیا تھا اور آپ نے ان سے چند سوالات کیے تھے کہ ان کے جوابات دیں۔تو لگتا ہے وہ بھی خاموش ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس شائد آپ کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات نہیں ہیں حالانکہ دینی مدارس میں لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے لہذا ہم دینی مدارس کے علماء کرام اور لکھنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس علمی ڈائیلاگ میں حصہ لیں اور آپ کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا جواب دیں۔اختلاف رائے اگر مدلل اور سنجیدہ اسلوب میں ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں اور میرے جیسے قارئین اس سے یقینا استفادہ بھی کرتے ہیں۔

تحقیقات کا دائرہ وسیع کر سکتے ہیں اور اپنے اہداف کو آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ان علوم پر غور وفکر کرنے سے ہدایت اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اہل علم کو خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔سورۃ فاطر کی آیت دیکھیں کہ اس میں کائناتی علم کے کئی پہلو بیان ہوئے ہیں۔" **الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء** " کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسائی‘‘۔پھر فرمایا" **فاخرجنا بہ ثمرت مختلفاً الوانھا** " تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کیے۔پھر بیان ہوا" **ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانھا وغرابیب سود** " اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں‘‘۔پھر ارشاد فرمایا: " **ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذلک** " اور انسانوں اور جانوروں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں۔

قرآن حکیم کے اس ایک مقام پر کئی علوم کا تذکرہ ہے جن میں علم فضائیات جس کے لیے **السماء** کا لفظ آیا ہے۔علم النبات (Botany) اس بارے میں **الثمرات** کا ذکر آیا ہے۔ **علم طبقات الارض** (Geology) اس حوالے سے بیان ہوا کہ مختلف زمینی قطعات پر اگنے والے پھلوں کے رنگ آپس میں جدا ہوتے ہیں۔ **علم الجبال** (Orography) جس میں پہاڑوں اور ان کے مختلف رنگوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔علم الحیوانات (Zoology) اس کے لیے **الدواب والانعام** کا بیان ہے۔علم الانسان (Anthropology) کے سلسلے میں انسانوں کے مختلف رنگوں کا ذکر ہوا ہے۔اب آپ خود ہی سوچیں کہ ایک شخص جو صرف عربی زبان وادب کا ماہر ہو، فقہ پر بھی گہری بصیرت رکھتا ہو، وہ ان آیات کو صرف اس حد تک ہی دیکھے گا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مختلف نشانیوں کا ذکر ہے اور ہمیں اس کی نعمتوں کا اعتراف کرنا چاہیے جبکہ نیچرل سائنسز میں سے کسی ایک میں پی ایچ ڈی یا پوسٹ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حامل شخص جسے عربی زبان میں بھی مہارت حاصل ہو تو ایسا شخص اس مقام کو کسی اور نگاہ سے دیکھے گا۔اس کے لیے آگے کی آیات پڑھنا دشوار ہو جائے گا کیونکہ اسے تدبر کے لیے یہاں بہت سامان مل گیا ہے۔وہ ان آیات پر ڈیرہ ڈال لے گا۔اسے ایسی فرحت نصیب ہوگی جس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔اسے گہرا احساس ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کا مضمون بعنوان ’’تفسیر قرآن مجید کے جدید تقاضے‘‘ سہ ماہی علمی جریدے ’’المعارف‘‘ [جولائی ستمبر 2007ء] میں شائع ہوا جس میں انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ ’’جدید مفسر کا فرض ہے کہ وہ کتاب الٰہی کی آج کی (یعنی جدید دور کی) زبان میں ترجمانی کرے‘‘۔سورۃ فاطر کی دو آیات جو اوپر ذکر کی گئی ہیں ان کے بعد والی آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا " **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** " بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔اس جزء کے سیاق وسباق کو دیکھیں تو اس سے پہلے طبیعیاتی اور تکوینی علوم کا تذکرہ ہے، علوم شرعیہ کا بیان نہیں ہوا، جس سے یہ چیز ظاہر ہو رہی ہے کہ نیچرل

سائنسز کے ماہرین کو''**العلماء**'' کہا گیا ہے اور ان حقیقی علماء کا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ نیچرل سائنسز کا علم رکھتے ہیں وہ قرآن حکیم کے اس حصے کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جو نیچرل سائنسز سے متعلق ہے۔ اور ان علوم سے محروم شخص ان آیات کو پڑھتے ہوئے کوئی گہرا اثر لیے بغیر آگے گزر جائے گا۔ ہمیں دینی مدارس اور یونیورسٹیوں میں ایسے اہل علم پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف عربی زبان و ادب اور اصول تفسیر سے گہری واقفیت رکھتے ہوں تو دوسری طرف جدید علوم میں بھی کسی طور کم نہ ہوں۔ اس کے لیے ہمیں اپنے تعلیمی نظام میں بہت سی اصلاحات کی ضرورت ہے۔

تزکیۂ نفس

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

دلوں کو حرصِ مال سے پاک کیجیے

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"قد افلح المومنون۔ الذین ہم فی صلاتہم خاشعون۔ والذین ہم عن اللغو معرضون۔ والذین ہم للزکوۃ فاعلون۔" (المومنون: ۱-۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مومنوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان کے اخلاق پاکیزہ ہوں۔ قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں۔ اس کی اہمیت اس لیے ہے کہ انسان کے جتنے اعمال و افعال ہیں، وہ سب اس کے اخلاق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو وہ اچھے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے، اور اگر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ برے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے۔ اگر انسان کے اخلاق درست ہو جائیں تو اس کی ساری زندگی درست ہو جائے گی اور اگر اس کے اخلاق خراب ہو جائیں تو ساری زندگی خراب ہو جائے گی۔

دل کی اہمیت

اس بات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں فرمایا:

"الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا و هی القلب"

یعنی جسم میں یک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے، اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، وہ لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اگر وہ صحیح نہ ہوں تو انسان کی پوری زندگی خراب ہو جاتی ہے۔

فساد کی وجہ اخلاقی خرابی ہے

ہمارے موجودہ حالات میں اور اس دور میں اس کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ ہمیں اپنے ارد گرد جو فساد پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اگر اس پر غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ یہ فساد درحقیقت اس بات پر مبنی ہے کہ آج اخلاق کے درست کرنے کا اہتمام نہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں صحیح جذبات پرورش پاتے، نیک خواہشات پیدا ہوتیں تو آج ہمیں اپنے گرد و پیش میں اتنا بڑا فساد نظر نہ آتا۔ کوئی ظالم دوسرے پر ظلم اس لیے کرتا ہے کہ اس کے دل میں ایسے جذبات اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں، جو گندگیوں اور نجاستوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کوئی آدمی عریانی اور فحاشی میں اس لیے مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں گندی خواہشات اور گندے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر یہ گندے خیالات اور جذبات پیدا نہ ہوتے تو وہ فحاشی اور عریانی کے کام نہ کرتے۔ اسی چیز نے ہمارے معاشرے میں فساد پھیلایا ہوا ہے۔

اخلاقی خرابی کے نتائج

خاص طور پر ہماری معاشرت، معیشت اور سیاست کے ماحول میں ان اخلاقی خرابیوں نے ہمیں اسفل السافلین میں پھینکا ہوا ہے۔ آج ہمارے ملک میں جو حالات چل رہے ہیں، اس میں ہر شخص یہ شکوہ کر رہا ہے کہ رشوت کا بازار گرم ہے، کرپشن پھیلی ہوئی ہے، حرام کھانے کے لیے لوگ منہ کھولے بیٹھے ہیں اور حرام مال کو شیرِ مادر سمجھ لیا گیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح شیرِ مادر حلال ہے، اسی طرح رشوت کا مال بھی حلال ہے، دھوکے کا مال بھی حلال ہے، جھوٹ کے ذریعے آنے والا مال بھی حلال ہے، بلکہ بسا اوقات وہ لوگ جو اپنی ذاتی زندگی میں نمازیں پڑھتے ہیں، عبادتیں ادا کرتے ہیں، وعظ اور تقریریں بھی سنتے ہیں لیکن جب وہ لوگ دنیا کے کاروبار میں داخل ہوتے ہیں

اور روپے پیسے کے معاملات کرتے ہیں تو اس میں حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے ۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ پیسہ جو میں کما رہا ہوں، یہ حلال کما رہا ہوں، یہ لقمہ جو میرے منہ میں جا رہا ہے یہ حلال کا لقمہ ہے یا حرام کا لقمہ ہے بلکہ آج پیسے حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں، جھوٹا سرٹیفکیٹ بنانے میں کوئی خوف نہیں، جھوٹی شہادت دینے میں کوئی عار نہیں، جب روپے پیسے کا معاملہ آجاتا ہے تو ساری دینداری اور تقوی دھرا رہ جاتا ہے۔

روپیہ حاصل کرنے کی دوڑ

آج یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے جتنا روپیہ سمیٹا جائے سمیٹ لو، چاہے حرام طریقے سے ہو یا حرام طریقے سے۔ بس پیسہ آنا چاہیے، اس کے لیے رشوت لینی پڑے تو رشوت لو ،اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دو۔ اس کے لیے اگر دھوکہ دینا پڑے تو دھوکہ دو، اگر جھوٹے کاغذات بنانے پڑیں تو جھوٹے کاغذات بناؤ، اگر جھوٹی گواہی دینا پڑے تو جھوٹی گواہی دو۔ جو کچھ کرنا پڑے کر گزرو، لیکن پیسہ آنا چاہیے۔ آج ہمارے معاشرے میں جو فساد پھیلا ہوا ہے وہ درحقیقت اس ذہنیت اور اس فکر کا نتیجہ ہے۔

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کمی کا نتیجہ

اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے مسلمان بھائیوں کی محبت دل میں جا گزیں ہوتی تو پھر دنیا کی محبت اور دنیا کے مال و دولت کی محبت دل پر غالب نہ ہوتی اور آدمی دنیا کے حصول کے لیے حلال وحرام کو ایک نہ کرتا۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر ہمارے اوپر کچھ فرائض عائد کیے ہیں اور اس دنیا میں یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص جیسے اسباب اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ویسا نتیجہ عطا فرمائیں گے، صدیوں سے ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے ارشادات کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، قرآن کریم کے ارشادات میں ایک اہم ارشاد یہ ہے کہ

"وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ" (الانفال: ۶۰)

آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے ذریعہ مسلمانوں کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ تم ایسی قوت حاصل کرو جس کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ کے دشمن پر رعب طاری کر سکو۔ اس حکم کا تقاضہ یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ جہاں کہیں بھی ہو، اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کرے، اپنے دفاع کے لحاظ سے

،ساز وسامان کے لحاظ سے اور معیشت کے لحاظ سے اپنے آپ کو مضبوط بنائے۔

مسلمان وسائل سے مالا مال ہیں

لیکن بحیثیت مجموعی اگر امت مسلمہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئے گا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی بجائے اپنی لگام غیروں کے ہاتھ میں دی ہوئی ہے۔آج مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تاریخ میں روئے زمین پر اتنی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔آج مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنے وسائل کبھی نہیں رہے۔آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنی دولت کبھی ان کے پاس نہیں رہی۔دنیا کے عظیم ترین وسائل پیداوار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خطے میں عطا فرمائے، تیل یہاں سے نکلتا ہے گیس یہاں سے نکلتی ہے،سونا یہاں سے نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہترین انسانی صلاحیتیں یہاں عطا فرمائی ہیں اور سارے کرۂ زمین کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ پورے کرۂ زمین کا دل مسلمانوں کے پاس ہے۔

ذاتی مفاد کو سامنے رکھنے کے نتائج

مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلسل اسلامی ملکوں کا سلسلہ ہے گویا یہ ایک زنجیر ہے جس میں مسلمان پروئے ہوئے ہیں،درمیان میں صرف دو ملک حائل ہیں ایک اسرائیل اور دوسرے بھارت۔ دنیا کی عظیم ترین شاہراہیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں،نہر سویز ان کے پاس ہے۔

ہم لوگ خودغرضی میں مبتلا ہیں

یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا کہ ساری دولت پر اور سارے وسائل پر خودغرضی کا شیطان مسلط ہے ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ مجھے پیسے ملنے چاہئیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں یا حرام طریقے سے۔وقتی طور پر میں خوش ہو جاؤں، وقتی طور پر میرا کام بن جائے، وقتی طور پر مجھے راحت مل جائے چاہے اس کی خاطر مجھے قوم اور ملک کو داؤ پر لگانا پڑے۔چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی پوری ملت بیچنا پڑے لیکن میں کسی طرح اپنا الو سیدھا کرلوں۔یہ وہ ماحول ہے جس میں ہم اور آپ زندگی گزار رہے ہیں اور حکام سے لے کر عوام تک ہر شخص اس بیماری میں مبتلا ہے۔

ہمارے ملک میں کرپشن

آج ہر شخص کرپشن کا رونا رو رہا ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ حکومت کے کسی دفتر میں جاؤ تو اس وقت تک کام نہیں بنتا جب تک پیسے نہ کھلائے جائیں، دفتروں میں لوگ حرام کھانے کے لیے منہ کھولے بیٹھے ہیں، یہ شکایت ہر شخص کر رہا ہے لیکن جب اس کو موقع مل جائے تو وہ بھی اپنا منہ کھولے بغیر نہیں رہتا اور وہ اس سے زیادہ رشوت لے گا، جتنی وہ دوسروں کے رشوت لینے کی شکایت کر رہا تھا۔ دوسروں سے زیادہ کرپشن کا مظاہرہ کرے گا، جھوٹے سرٹیفیکٹ بنائے گا، جھوٹی شہادتیں دے گا، یہ سب کام ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں ہو رہے ہیں۔

دنیا میں کامیابی کے لیے محنت شرط ہے

بے شک یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بنائی ہے، لیکن یہ دنیا اس لیے بنائی ہے کہ اس میں محنت اور جدو جہد کر کے حلال اور جائز طریقے سے کماؤ اور اس کے وسائل کو اپنی بہتری کے لیے اور امت کی بہتری کے لیے استعمال کرو۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں بنائی تھی کہ ہر انسان دوسرے کو دھوکہ دے کر اور فریب دے کر دولت کمائے اور دوسروں پر ڈاکہ ڈالے، اپنی تجوریاں بھرتا چلا جائے اور ملک و ملت کو فراموش کر دے۔ آج مسلمانوں نے چونکہ یہ وطیرہ اختیار کیا ہوا ہے، اس لیے ان کی ہر جگہ پٹائی ہو رہی ہے۔ دشمن سے کیا شکوہ، دشمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں تباہ کرے۔ شکوہ اور گلہ تو اپنا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا ہے کہ دنیا کی جو قوم چاہے آ کر ہم پر ڈاکہ ڈالے اور خوشی کے تازیانے بجاتے ہوئے یہاں سے چلی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اصول

یاد رکھیے یہ صورت حال اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے، قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط (الرعد: ۱۱)

یعنی خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ قرآن کریم کا ارشاد ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا کہ اگر تم اپنے آپ کو نہیں بدل سکتے تو تمہاری حالت بھی نہیں بدلے گی، اگر تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پٹ رہے ہو تو پھر تمہاری پٹائی اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک تم اپنے کرتوت نہیں چھوڑو گے۔

ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی دعائیں کی گئیں، اللہ تعالیٰ سے اتنا مانگا گیا لیکن ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ہمیں فتح نہیں دی گئی اور دشمن کو فتح ہوگئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں کے ایمان متزلزل ہو رہے ہیں، لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کو کیوں نہیں آیا؟ بھائی اللہ تعالیٰ ہماری مدد کیوں کریں گے؟ قرآن کریم میں ہے **"نسو اﷲ فنسیھم"** یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ دیا۔

ہم پورے دین پر عامل نہیں

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو کہاں بھلایا؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ نماز پڑھو، ہم نماز پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ جمعہ کی نماز کے لیے آؤ ہم جمعہ کی نماز کے لیے آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ رمضان میں روزے رکھو ہم روزے رکھ رہے ہیں، لہذا ہم نے اللہ کو تو نہیں بھلایا۔

بات دراصل یہ ہے کہ لوگوں نے صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کو دین سمجھ لیا ہے اور زکوٰۃ دینے اور حج کرنے اور عمرے کرنے کو دین سمجھ لیا ہے، حالانکہ دین کے بے شمار شعبے ہیں۔ اس میں معاملات بھی ہیں، اس میں معاشرت بھی ہے، اس میں اخلاق بھی ہیں، یہ سب دین کا شعبے ہیں۔ اب ہم نے نماز تو پڑھ لی اور روزہ بھی رکھ لیا، زکوٰۃ کا وقت آیا تو زکوٰۃ بھی دے دی، عمرے کر کے خوب سیر سپاٹے بھی کر لیے لیکن جب اللہ تعالی کے حکم کے آگے اپنے مصالح کو قربان کرنے کا موقعہ آتا ہے تو وہاں پھسل جاتے ہیں اور تاویل شروع کر دیتے ہیں کہ آج کل سب لوگ ایسا کر رہے ہیں اور حالات ایسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلائے ہوئے ہیں، خاص طور سے اپنی معاشرت کی زندگی میں اپنے معاملات کی زندگی میں، اخلاق کی زندگی میں اور سیاست کی زندگی میں اسلام کو اور اسلامی احکام کو فراموش کیا ہوا ہے۔

ہم دشمن کے محتاج بن کر رہ گئے ہیں

اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ اپنی طاقت کو جمع کرو، لیکن ہم نے یہ طاقت جمع نہیں کی اور پھر یہ طاقت کیسے حاصل ہوتی جب کہ ہمارے سارے وسائل رشوت کی نذر

ہو رہے ہیں، کرپشن کی نذر ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہر وقت اپنے دشمنوں سامنے بھیک کا پیالہ لیے کھڑے ہیں اور ان سے مانگتے ہیں کہ خدا کے لیے ہماری مدد کرو۔ اب اگر وہ دشمن ہماری پٹائی کرتا ہے یا ہم پر حکومت کرتا ہے تو پھر اس کا شکوہ کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ ہم نے خود اپنے آپ کو ان کا

ہم اظہار اختلاف میں جس شائستہ اور نرم اسلوب کے خواہاں اور خوگر ہیں، البرہان میں ہماری تحریریں اس کی گواہ ہیں۔ ہم جب "ساحل" میں محترم خالد جامعی صاحب کی تحریریں پڑھتے تھے تو ان سے گزارش کرتے تھے کہ "تنقید کرتے وقت ہاتھ ہولا رکھا کریں"۔ اب ان کے جواب میں ملتان سے محمد رشید صاحب نے جوابی سلسلہ مضامین شروع کیا ہے تو ان کا اسلوب بھی جارحانہ ہے جو ہمارے ذوق پر گراں گزرتا ہے۔ جامعی صاحب جواب کا حق محفوظ رکھتے ہیں لیکن اس کے بعد ہم چاہیں گے کہ اس سلسلہ مضامین کو ختم کر دیں۔ مدیر

محتاج بنا دیا ہے اور اپنے حالات ہم نے ایسے بنا رکھے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہماری زندگی ان پر موقوف ہوگئی ہے۔ لہذا ان سے کیا شکوہ؟ شکوہ تو اپنا ہے کہ ہم نے خود اپنے کو ذلیل کیا۔ اگر آج بھی ہمارے پاکستان جیسے ملک کے وسائل ٹھیک دیانتداری اور امانت داری کے ساتھ استعمال ہوں اور ہم یہ تہیہ کر لیں کہ ہم اپنی چادر کی حد تک پاؤں پھیلائیں گے اور اپنے وسائل کے دائرے میں رہ کر کام کریں گے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے تو ہم اپنی قوت مجتمع کر لیں گے۔ لیکن اس ملک میں رشوت اور کرپشن نے ہماری زندگی کو تباہ کیا ہوا ہے۔

معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہوتی ہے

لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ جب سارا معاشرہ ہی خراب ہے تو اگر ہم نے اپنے اندر کوئی تبدیلی کر بھی لی تو ہم اکیلے پورے معاشرے کو کیسے بدل سکتے ہیں؟ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا، ہماری تبدیلی سے معاشرے پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

یاد رکھیے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، اگر ہر آدمی یہی سوچتا رہے تو کبھی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اصلاح اسی طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کو درست کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کم از کم، ایک برائی اس دنیا سے دور ہو جاتی ہے، جب ایک برائی دور ہوئی تو امید کا ایک چراغ جل گیا اور اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ جب ایک چراغ جلتا ہے تو اس چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور دوسرے سے تیسرا جلتا ہے ا ور بالآخر اللہ تعالی اس کے ذریعہ ماحول میں روشنی پیدا فرما دیتے ہیں۔

آپ یہ تہیہ کرلیں

بہرحال !ایک طرف تو یہ ہو کہ ہر انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور یہ تہیہ کرے کہ میں اپنی زندگی میں اللہ تعالی کے احکام کی پیروی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ نافرمانی جس نے سارے معاشرے میں فساد مچایا ہوا ہے، نہیں کروں گا اور کوئی حرام پیسہ میرے گھر میں نہیں آئے گا اور دوسری طرف اس ملک کے وسائل صحیح طور استعمال ہونے لگیں تو اس ملک کو بھی ترقی حاصل ہوگی اور اس کے اندر قوت آئے گی ااور جب قوت آجائے تو کسی دشمن کو جرأت نہیں ہوگی کہ وہ بری نظر اس پر ڈالے۔

دلوں کو ان بیماریوں سے پاک کرلیں

اور یہ ساری خرابی اس لیے پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے دلوں میں مال کی محبت بیٹھی ہوئی ہے ،دل میں دنیاوی عیش وعشرت کی محبت بیٹھی ہوئی ہے،دل میں خود غرضی اور مفاد پرستی کی محبت بیٹھی ہوئی ہے،اس محبت نے ہمیں تباہ کیا ہوا ہے۔

قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ کہو:"الذین ھم للزکوۃ فاعلون" یعنی فلاح پانے وا ے مومنین اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک بنانے و لے ہیں،اگر تم اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنالو گے تو تم فلاح پا جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(بقیہ استفسارات) کے منہج کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں تک جدید،جدت،ایجادات وغیرہ کا تعلق ہے تو معاملات وتمدن کے وسیع میدان میں نہ صرف ان کی گنجائش موجود ہے بلکہ ان میں ترقی مطلوب ہے اور مسلم تہذیب کے ایک ہزار سال میں مسلمانوں نے ان شعبوں میں جدت اور نئی ایجادات سے کام لیا بھی ہے تا آنکہ اپنے دین سے دور ہو کر اور دیگر اسباب کی بناء پر وہ زوال کا شکار ہو گئے اور خود جدت و ایجادات کرنے کی بجائے اہل مغرب کی جدت و ایجادات کے نقال یا محض استعمال کنندہ بن کر رہ گئے

اسلام اور سائنس محمد رشید

سقوطِ اعتبار کا المیہ

البرہان کی جون،نومبر،دسمبر 2012 اور جنوری 2013 کی اشاعتوں میں اس عاجز نے جناب زاہد صدیق مغل اور محترم سید خالد جامعی صاحب کو''سائنس مخالفین'' کی صف میں شمار کرتے ہوئے

اس سائنس مخالف فکر کا اپنے تئیں نہایت جامع اور مختصر تنقیدی جائزہ پیش کیا تھا۔ جنوری 2013 کی اشاعت میں محترم سید خالد جامعی صاحب نے راقم کے تنقیدی مضامین کو کمال اختصار سے رد فرمایا ہے۔ سید جامعی صاحب کے مضمون کا عنوان ہی ''مغربی سائنس وٹیکنالوجی کی بالادستی قابل رد ہے'' معنی خیز ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر ہم اس عنوان ہی پر غور کریں تو یہ عنوان اعلان کرتا نظر آرہا ہے کہ سید جامعی صاحب ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی اپنی تحریروں میں جو یہ فلسفہ بیان کرتے رہے ہیں کہ ''مغربی سائنس وٹیکنالوجی قابل رد ہے'' اپنے اس ایک جملہ سے انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے غیر اعلانیہ انداز میں رجوع کرنے کا عندیہ دیا ہے یا پھر اس عاجز کے دلائل سے وہ اس حد تک متاثر ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے سابقہ موقف کی غلطی کو تو محسوس کر لیا ہے مگر اس کا اظہار شاید وہ مناسب نہیں سمجھتے۔☆ تاہم اپنے مضمون کے عنوان کے نیچے آنجناب نے یہ سرخی بھی دی ہے کہ ''مدیر البرہان اور محمد رشید صاحب کے الزامات غلط فہمی کا نتیجہ ہیں''۔ اپنے دفاعی مضمون میں سید جامعی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ امت سائنس وٹیکنالوجی کا استعمال ترک کردے''۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ ''مغربی تہذیب اور فلسفہ، فلسفہ سائنس، جدید سائنس، ٹیکنو سائنس، سائنٹسزم وغیرہ پر تنقید ہمارا خاص میدان ہے لیکن تنقید کو تکفیر سمجھنا درست رویہ نہیں ہے۔''

☆۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ عنوان ہمارا قائم کردہ تھا نہ کہ خالد جامعی صاحب کا۔ مدیر

ہم دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے مضامین میں محترم جامعی صاحب کو سائنس مخالفین کی صف میں شمار کیا ہے۔ لیکن محترم جامعی صاحب نے نہایت زوردار الفاظ میں ہمارے اس الزام کو ''بے بنیاد، غلط در غلط بلکہ بالکل غلط، شاعرانہ خیال آرائی......اتہام و دشنام کی سرحدوں سے آگے نکل جانا'' قرار دیا ہے۔ آنجناب نے نہایت معصومیت سے ارشاد فرمایا ہے کہ ''سب سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ پورے مضمون میں الزام لگاتے ہوئے راقم کی کسی ایک تحریر یا ایک جملے یا ایک مضمون کا دوسطری تو کیا ایک سطری حوالہ بھی نہیں دیا گیا''۔ آنجناب کا یہ جملہ پڑھ کر ہمیں بھی بڑی حیرت ہوئی کہ ہزاروں صفحات تحریر کرنے کے باوجود محترم جامعی صاحب کو آج تک یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ سائنس مخالف ہیں یا کہ سائنس دوست۔

تاہم سید خالد جامعی صاحب کے مطالبے کی تعمیل میں ذیل میں ان کی تحریروں سے نمونہ کے چند حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن کی روشنی میں ان کے درج بالا بیان کی صداقت و اصالت کو بخوبی جانچا جا سکتا ہے:

☆ ''فلسفہ نے جب خدا سے اور حقیقت مطلق سے دامن چھڑا لیا تو سائنس دانوں نے بھی سائنس سے خدا کو خارج کر دیا لیکن ہمارے مسلم جدیدیت پسندوں کا مسئلہ یہ ہے کہ کسی طرح سے سرمایہ داری، سرمایہ دارانہ نظام، سائنس، ٹیکنو سائنس میں خدا کو داخل کر دیا جائے تا کہ اس کافرانہ نظام کی اسلام کاری ہو سکے۔ وہ جدید سائنس کے فلسفیانہ مباحث سے ناواقف ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ جدید سائنس میں روایت، مذہب، روحانی تجربات اور مابعدالطبیعیاتی سوالات کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔..........................

......جدید سائنس کا تصور حقیقت خدا سے انکار پر مبنی ہے اگر جدید سائنس کی مابعدالطبیعیات نکال کر اس میں اسلام کی مابعدالطبیعیات شامل کر دی جائے تو کیا جدید سائنس کو مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔'' (صفحہ 5 ساحل جولائی 2005)

☆ ''سرمایہ دارانہ نظام کو تباہ کرنا ہمارے دین وایمان کا مسئلہ ہے۔ مگر ہمارے بعض علماء اور بعض دینی مدارس جن کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہے اس نظام کو مسترد کرنے کے بجائے اس کو جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں......'' (صفحہ 22 ساحل جولائی 2005)

☆ ''اب مغربی، فلسفہ سرمایہ دارانہ نظام اور سائنس وٹیکنالوجی توام ہے'' (صفحہ 238 جدیدیت، عہد حاضر اور اسلام از سید خالد جامعی)

''ٹیکنو سائنس انسانیت کی نہیں حیوانیت، جاہلیت، شہوت، غضب، نفس پرستی یا مختصر لفظوں میں سرمایہ داری کی حاشیہ بردار اور خادم ہے۔ یہ سرمایہ سے نکلی اور سرمایہ سے چلی ہے۔......لہٰذا یہ سرمایہ پیدا کرتی ہے اور سرمایہ میں مسلسل اضافے کا نام ہے'' (صفحہ 4 ساحل جولائی 2005)

☆ ''جدید سائنس وٹیکنالوجی کا مقصد صرف عیش وعشرت کی فراوانی کے ذریعے مادیت کو روحانیت پر غالب کرنا ہے اس لیے جدید سائنس اسلامی تہذیب کی اصل حریف اور دشمن ہے۔'' (ساحل جولائی 2005 صفحہ 36)

☆ ''جدید سائنس بندگی کے تصور کو ختم کر کے خدائی کا دعویٰ کرتی ہے۔'' (ساحل جولائی 2005 صفحہ 52)

[''جدید سائنس خواہش نفس کے الہ کی پرستش کا نام ہے، اس کا روحانیت مذہب سے کیا تعلق ہے، سائنس خواہش نفس کی پرستش کا مذہب بن گئی ہے۔..................ساحل''] (ساحل اکتوبر 2006 صفحہ 95)

☆ ''جدید سائنس [Modern Science] درحقیقت وحی سے علی الرغم اور بغاوت خداوندی پر مبنی علمیت کا نام ہے۔'' (ساحل نومبر 2006 صفحہ 7 از زاہد صدیق مغل)

☆ ''اسلام میں جدید سائنس کا کوئی جواز موجود نہیں کیونکہ جدید سائنس توسراپا کفر ہے اور یہ صرف کفر ہی کے بطن سے برآمد ہوسکتی ہے۔امام غزالی کے اصولوں کی روشنی میں جدید سائنس کا شمار مضر علوم کی فہرست میں ہوگا'' (ساحل نومبر 2006 صفحہ 23 از زاہد صدیق مغل)

☆ ''انسانی حقوق کا اصل چہرہ یہی ہے کہ اپنی خواہش آرزو، تمنا، امید، مقصد اور اپنے نفس کو الہ بنالو............اور سائنس وٹیکنالوجی خواہشات نفسانی کے حصول میں سہولتیں مہیا کرنے والے شیاطین ارض'' (ساحل مارچ 2007 صفحہ 69)

☆ ''گناہگار زندگی کو جدید سائنس نے نہ صرف ممکن بنادیا ہے بلکہ ہر شخص کے گناہ کی استعداد میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے۔جدید سائنس گناہ کے تمام ممکنہ راستے ذرائع وسیلے نہایت مستعدی کے ساتھ لوگوں کے دائرہ اختیار میں لے آتی ہے۔اور گناہ کرنا سہل ترین ہوگیا ہے۔نفس کی پرستش کے جتنے حیلے بہانے طریقے وسیلے ہوسکتے ہیں جدید سائنس نے وہ سب کثرت سے مہیا کردیے ہیں'' (ساحل اپریل 2008 صفحہ 39)

☆ ''جبکہ جدید سائنس کو قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں یہ استعماریت، قتل عام، بربریت، بہمیت، سفاکی، درندگی، لوٹ مار اور نو آبادیات کے بغیر وجود پذیر ہی نہیں ہوسکتی تھی'' (ساحل اپریل 2008 صفحہ 57)

☆ ''کسی مفکر نے جدید ٹکنالوجی کے ابلیسی پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہی گوارا نہ کی جو سرمایہ داری کی خباثت سے منسلک ہے اور حرص وحسد اور لالچ اس کے ارکان ثلاثہ ہیں۔اس ابلیسی پہلو نے ابن آدم کے ظاہر وباطن کی روحانی کیفیات کو تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا ہے۔جدید سائنس وٹکنالوجی نے بحر وبر کو زہر سے بھر دیا ہے...... (ساحل اپریل 2008 صفحہ 78)

☆ ''جدید سائنس کو گوئٹے کی دانش کے حوالے سے فاؤسٹی یعنی شیطانی سائنس کہا جاسکتا ہے'' (ساحل اپریل 2008 صفحہ 93)

☆ ''جدید سائنس، ٹکنالوجی کو اختیار کرنے کے نتیجے میں مغرب کے خدا اور مذہب دشمن تصورات، تہذیب اور کفر کی لغویات بھی چلی آتی ہے جسے روکنا ممکن نہیں ہے'' (ساحل اپریل 2008 صفحہ 95)

''دنیا کو اصل خطرہ سرمایہ داری، جدید فلسفے، جدید سائنس وٹکنالوجی اور مغرب کی عالمی یلغار سے ہے'' (ساحل اپریل 2008 صفحہ 112)

''ٹیکنو سائنس جہاں جاتی ہے وہاں آخرت کی فکر کو ناممکن ومحال بنادیتی ہے......لیکن ہمیں ان چیزوں کی کوئی فکر نہیں ہے جو ہماری روح کو مسخ کرکے اسے تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں ایسی اشیاء کی فہرست میں

ٹیکنو سائنس کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔'' (صفحہ 183 جدیدیت، عہد حاضر اور اسلام از سید خالد جامعی)

محترم جامعی صاحب سے دست بستہ گزارش ہے کہ آنجناب اگر اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی درج بالا تحریروں کے ذریعے سائنس مخالفت کا اظہار نہیں فرما رہے تو ہمیں ان کے اس فرمان پر اندھا بہرا ''ایمان'' لانا پڑے گا کہ ان پر سائنس مخالفت کا الزام ''بے بنیاد، غلط در غلط بلکہ بالکل غلط، شاعرانہ خیال آرائی......اتہام ودشنام کی سرحدوں سے آگے نکل جانا'' ہے۔

سید خالد جامعی صاحب نہایت مشفقانہ انداز میں لکھتے ہیں کہ: ''جو احباب سائنس کی درست تعریف بیان کرنے سے قاصر ہوں ان کے نقد پر کیا نقد کیا جائے؟'' ہم محترم جامعی صاحب کے اس ادیبانہ ومشفقانہ انداز پر ان کے شکر گزار ہیں۔ جہاں تک سائنس کی درست تعریف نہ بیان کرنے کا قصور ہے تو ہمیں اعتراف ہے کہ نہ تو ہم نے اپنے زیر بحث مضامین سائنس کی درست تعریف متعین کرنے کے لیے تحریر کیے اور نہ ہی ہم سائنس پر کسی اتھارٹی یا علمی عبور کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو نہایت ادنیٰ طالب علم سمجھتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی اعتراف ہے کہ محترم خالد جامعی صاحب کی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تحریروں میں ہم سائنس کی کوئی درست تعریف تلاش کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ اسے ہماری نالائقی اور کم فہمی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ تاہم زیر بحث متنازعہ فکر کے مطالعہ کے نتیجے میں سائنس کی جو سب سے اہم اور بنیادی خصوصیت/تعریف ہمارے ناقص ذہن نے اخذ کی، اسے ہم نے درج ذیل الفاظ میں بیان کرنے کے بعد شدت سے رد کیا:

''مغرب کے فلاسفہ کو سائنس کی دنیا کے پیغمبر قرار دینے اور ان ''پیغمبران سائنس'' کے افکار پر اپنے فلسفہ کی فکری بنیادیں استوار کرنے والے زیر بحث مکتب فکر کے نزدیک سائنس یا ٹیکنو سائنس کی تعریف یہ ہے: سائنس = (کائنات پر ارادۂ انسانی کا تسلط + وحی کا انکار)......

گویا اس مکتب فکر کے نزدیک سائنس وٹیکنالوجی اور انکار وحی (کفر) ایک ناقابل تقسیم وحدت کا نام ہے......'' (البرہان دسمبر 2012)

اس مقام پر ہم یہ گلہ پیش کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ سائنس پر نقد و جرح پر مبنی محترم جامعی صاحب کی سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی نگارشات مطالعہ کرنے کے باوجود سائنس کے معاملے میں ہم بالکل کورے کے کورے ہی رہے۔ ہمیں یہ بھی شکایت ہے کہ ہم ساحل کے درج ذیل شمارے جستجو اور تلاش علم وحقیقت کے شوق سے مطالعہ کیے:

جدید سائنس اور سودی بینکاری کی اسلام کاری (پہلی قسط) (ساحل جولائی 2005)

جدید سائنس اور سودی بینکاری کی اسلام کاری (دوسری قسط) (ساحل اگست 2005)

جدید سائنس اور سودی بینکاری کی اسلام کاری (تیسری قسط) (ساحل ستمبر 2005)

جدید سائنسی ترقی سے مسلم فلاسفہ و مفکرین کی بڑھتی ہوئی مرعوبیت (ساحل مئی 2008)

لیکن مطالعہ کے بعد ہمیں بے حد افسوس اور رنج ہوا کہ ساحل کے ان شماروں میں اپنے عنوان سے شدید ناانصافی کی گئی۔ کیونکہ ان شماروں میں ایک قاری بنیادی ترین سوالات (یعنی سائنس کیا ہے؟ کیوں گمراہی ہے؟ حل کیا ہے؟) کا جواب حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہتا ہے۔ ان شماروں میں سائنس پر بحث کی بجائے یورپی وامریکی اقوام کے مظالم کی تاریخ، نیز سائنسی افکار کا ناقدانہ جائزہ پیش کرنے کی بجائے امریکی وحشت وسفاکی کی تاریخ اور سائنس دانوں کی بجائے ارسطو، میکیاولی، ہابس، لاک، مارکس اور اینجلز کے افکار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ درج بالا شمارہ جات معلوماتی ہیں تاہم اپنے عنوان سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا اور نہ ہی آنجناب کی متنازعہ فکر کو قبول کرانے میں یہ معلومات (Data) کوئی ٹھوس علمی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

ہمیں اس کا بھی بڑا افسوس ہوا کہ جامعی صاحب جیسی صاحب علم شخصیت سنجیدہ علمی موضوعات/ مسائل کو علمی (قابل تفہیم) انداز میں حل کرنے کی بجائے ......اس علمی خلا کو دعاوی، جذبات، ہیجان ،استہزا، واقعات اور سوالات کی طومار سے پُر کرنے کی کوشش کرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہی رویہ ان کا ہمیں ساحل دسمبر 2006 کے شمارے بعنوان: ''اسلامی بینکاری......حضرت مفتی تقی عثمانی سے چند استفسارات'' میں نظر آتا ہے جس میں نہایت حساس اور سنجیدہ موضوع پر علمی دلائل، تجزیہ اور محاکمہ کی بجائے رسالے کے ابتدائی 26 صفحات پر سوالات کی طومار تو ملتی ہے مگر علمی تجزیہ ومحاکمہ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ باقی 70 صفحات میں عنوان سے متعلق کوئی مواد نہیں......ہاں آخری دس صفحات قریباً 100 سال قبل وفات پا جانے والے اور سیرت النبی ﷺ کی قابل رشک خدمت سرانجام دینے والے علامہ شبلی مرحوم ومغفور کو بوالہوس اور جنس کا مارا ہوا ثابت کرنے کی جامعی صاحب کی کاوشوں کی زبردست تائید پر سیاہ کیے گئے ہیں۔ حد یہ ہے کہ اسی رسالے کے بیک ٹائٹل پر علامہ شبلی مرحوم کی بدکاری اور طوائف کے ناچ سے لطف اندوزی حاصل کرنے کے ''ناقابل تردید ثبوت'' کا باقاعدہ اشتہار دے دیا گیا ہے۔ کیا خوب علمی انداز اور مقاصد ہیں؟ انا للہ و انا الیہ راجعون؟

محترم جامعی صاحب اپنی ہم عصر نہایت قابل احترام علمی و دینی شخصیات جن کا تقویٰ وتدین اور علمی رسوخ شک وشبہ سے بالاتر ہے کا کس انداز سے تمسخر اڑاتے ہیں اور ان کی تحقیر کرتے ہیں اس کا اندازہ ان کے ذیل کے اقتباسات سے لگایا جاسکتا ہے:

ساحل اپریل 2008 میں تحریر فرماتے ہیں:

''جب کوئی شخص ذلت میں گرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بدترین ذلت تک پہنچا دیتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ابھی تک عثمانی، قرضاوی اور العلوانی جیسے فقہا کے خلاف کوئی عالم وفقیہ نہیں اٹھا۔ مغرب سے ناواقف ان نادان مفتیوں نے امت کا حال ابتر کر دیا ہے۔'' (صفحہ 73)

ساحل جولائی 2005 کی اشاعت میں رقمطراز ہیں:

''لہٰذا ہمارا پورا ذخیرہ علم مشکوک ہے اس کا ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ مغرب کا اصل ایجنڈا ہے۔ اس ایجنڈے سے عدم واقفیت کے باعث عالم اسلام میں جدیدیت کی ایک لہر چل رہی ہے جس کا ماخذ مصر اور علی گڑھ تھے۔ اس لہر کے متاثرین میں گنتی کے چند علماء بھی ہیں جن میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی، محمد الغزالی مرحوم، ڈاکٹر محمود احمد غازی اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نمایاں ترین لوگ ہیں۔...... مسئلہ یہ ہے کہ تمام تر بزرگی کے باوجود یہ علماء مغربی فکر وفلسفے سے واقف نہیں ہیں۔ ان علماء کی ایک تحریر اور تصنیف بھی ایسی نہیں جس میں مغرب کے چوٹی کے فلسفیوں کے افکار کی کوئی جھلک یا ان پر کوئی نقد لکھا گیا ہو۔ نقد ونظر تو دور کی بات ہے یہ حضرات جن کے اخلاص وتقویٰ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، مغربی فلسفے، سائنس سوشل سائنسز اور نیچرل سائنسز کی مبادیات سے بھی ناواقف ہیں۔'' (صفحہ ب، ج)

اسی شمارے کے اگلے صفحات میں تحریر فرماتے ہیں:

''نیوٹن نے نصف زندگی مذہبی کتابیں لکھیں، وہ خدا کے وجود کا دل سے قائل تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ خدا کائنات بنا کر اس سے الگ تھلگ ہو گیا ہے۔ اس تصور نے ایک بے خدا سائنس تیار کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈیکارٹ نے بھی ذہن سے خدا کو ثابت کیا۔ کانٹ نہایت مذہبی شخص تھا لیکن ڈیکارٹ، نیوٹن اور کانٹ جو خدا کے قائل تھے ان کے پیش کردہ فلسفہ کے نتیجہ میں خدا کا وجود مغربی تہذیب وتاریخ سے خارج کر دیا گیا۔ یہی کام اسلامی جدیدیت پسند عالم اسلام میں کر رہے ہیں۔ وہ بہت نیک اور راسخ العقیدہ ہیں لیکن ان کی غلط فکر کے نتیجے میں اسلام کو مستقبل میں یہی خطرات درپیش ہوں گے۔'' (صفحہ 2 ساحل جولائی 2005)

ایک انصاف پسند قاری حیران رہ جاتا ہے کہ محترم جامعی صاحب بغیر کسی حوالے اور بغیر کسی دلیل کے علمی ودینی خدمات سرانجام دینے والی نہایت محترم شخصیات پر نادان، ناواقف، ذلت میں گرنے والے، غلط فکر کے حامل، مغربی فلسفے، سائنس، سوشل سائنسز اور نیچرل سائنسز کی مبادیات سے بھی ناواقف اور اسلام کے مستقبل کو خطرات سے دوچار کرنے کے الزامات لگا رہے ہیں۔ ایک صاحب علم شخصیت ہونے کے باوجود اور سینکڑوں صفحات سیاہ کرنے کے باوجود نہایت محترم شخصیات پر اتنے رکیک الزامات لگانے سے پہلے وہ کوئی علمی دلیل اور حوالہ پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

محترم جامعی صاحب کی سائنس مخالف تحریریں پڑھ کرایک عام قاری یہ حسن ظن کرسکتا ہے کہ وہ سائنس کی مخالفت شاید اس کے غلط استعمال کی وجہ سے اور اس کو گمراہ کن مابعدالطبیعیات سے منسلک کرنے کی وجہ سے کررہے ہیں۔لیکن ہمیں اس وقت نہایت حیرت ہوتی ہے کہ جو لوگ جدید سائنس کو مادہ پرستانہ، ملحدانہ مابعدالطبیعیات کی گمراہی سے نکال کراسے ہدایت،توحیداور حق سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں یا ایسا سوچتے ہیں،ان کے بارے میں جامعی صاحب کا غیض وغضب قابل دید ہوتا ہے۔آنجناب کے ذیل کے اقتباسات سے اس کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ کی جاسکتی ہے:۔

ساحل مئی 2008 کی اشاعت میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم (جن کی پوری زندگی سائنس اور اس کی مابعدالطبعیات کوموحدانہ بنانے اورتوحید کے سائے تلےلانے کی دعوت وتفہیم میں گزری) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ڈاکٹرصاحب کادعویٰ ہے کہ خدا کی صفات کوکائنات سے الگ کرنے کے بعداس کاسچاسائنسی مشاہدہ اور مطالعہ ممکن نہیں......سائنس کی کئی ہزارسال کی تاریخ ڈاکٹرصاحب کے اس بے بنیادموقف کی تردید کے لیےکافی ہے۔خداکےتصور سےسائنس کا کیاتعلق؟‘‘(صفحہ 55)

اس نہایت مختصر سے اقتباس سے محترم جامعی صاحب کی سوچ کا بخوبی اندازہ لگایاجاسکتا ہے کہ انہیں سائنس کوخدا کی صفات سےمشروط کرنے کےتصور ہی سے کتنی چڑ ہے۔

اسی شمارے کے اگلے صفحے پرتحریرفرماتے ہیں:

’’ڈاکٹر صاحب کے خیال میں صرف محمد عربی کے ماننے والے Mohammadan ہی موجودہ سائنسی طریق تحقیق کے موجد تھےاورسائنسی علوم کی بنیادبھی انہوں نے ہی رکھی تھی...... یہ بھی ایک بے بنیاد احمقانہ دعویٰ اورتنقیص انبیاء ہے‘‘(صفحہ 56)

غور کا مقام ہے کہ آنجناب اپنے سوچ سے مختلف سوچ رکھنے،خاص طور پر سائنس اوراسلام کی کسی بھی حوالے سے ہم آہنگی پر نہ صرف شدت سے برہمی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اسے’’احمقانہ‘‘ کہنے سے بھی نہیں چوکتے......غیض وغضب اورجذبات کی شدت میں اسے وہ تنقیص انبیاءقرار دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔اگر آنجناب کااب بھی اصرار ہے کہ اس طرح کے عقل دشمن رویہ کے ساتھ وہ کوئی علمی کام کررہے ہیں تو ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم اسے علمی کام سمجھنے سے معذور ہیں۔

ساحل مئی2008میں محترم ڈاکٹررفیع الدین مرحوم کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

’’ڈاکٹرصاحب کاخیال ہے کہ اگرمسلمان مظاہرقدرت کے مشاہدےاورمطالعے کاحق ادا کرکے ان

کی حقیقت اوراصلیت کو پوری طرح سے سمجھ لیں اوران کے تمام اسرار ورموز سے اور خدا کی ان تمام حکمتوں سے جوان کے اندر پوشیدہ ہیں پوری طرح آگاہ ہوجائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام طبیعیاتی علوم وجود میں آجائیں گے۔[صحابہ کرام پر بہتان کہ وہ اسرار رموز اور خدا کی حکمتوں سے بے خبر تھے۔ساحل] اسی طرح مظاہر قدرت کا پورا مشاہدہ کریں یہاں تک کہ ان کے تمام اسرار و رموز سے آشنا ہوجائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام حیاتیاتی علوم مکمل طور پر وجود میں آجائیں گے اگر حقائق کا پورا پورا تجزیہ کریں اوران کے معانی ومطالب اور ان کے نتائج و مضمرات پر اسباب، عوامل پر پوری طرح حاوی ہوجائیں تو تمام انسانی اور نفسیاتی علوم] بے چارے صحابہ کرام اس میدان میں بھی کورے رہے۔ساحل] اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ وجود میں آجاتے ہیں...........ڈاکٹر صاحب کے ایسے بے سروپا فلسفے کو مان لیا جائے تو یہ الزام بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نعوذ باللہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے تمام صحابہ کرام بے چارے قرآن اوراس کی آیات کو اس کی حکمت ودانش کو اس کے اسرار ورموز، اس کے غوامض، اس کے اعماق، اس کے صغریٰ کبریٰ، اس کائنات کی اصلیت، حقیقت اورقرآن کے معانی ومطالب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی انہوں نے مظاہر قدرت پر کامل غور وخوض کیا جس کے باعث صحابہ کرام نہ طبیعیاتی علوم ایجاد کرسکے نہ حیاتیاتی علوم نہ نفسیاتی یا انسانی علوم۔علم کی دنیا میں یہ نہایت جاہلانہ دعویٰ ہے۔ڈاکٹر صاحب دین کی روح اوراس کے مزاج سے بھی قطعی ناواقف ہیں اورعلامہ اقبال کی طرح مغربی فلسفے وجدید سائنس سے اس درجہ متاثر ہیں کہ فرماتے ہیں حضور کی دعاء **اللھم ارنا الاشیاء کماھی** اے خدا ہمیں اشیاء کواسی طرح سے دکھا جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں۔حضور کی یہ دعا گویا سائنسی طریق تحقیق کی حمایت کرتی ہے کیونکہ سائنسی طریقہ تحقیق کا مقصد یہی ہے کہ اشیاء ویسی ہی نظر آئیں جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں......ڈاکٹر صاحب سائنس سے بھی ناواقف ہیں اس کی حدود وفلسفے سے بھی ناواقف ہیں انہوں نے کانٹ کے یہاں Nomine اور Phinomina کی بحث اور حقیقت[Reality] کے مباحث بھی نہیں پڑھے وہ سائنس کے مقاصد اور فلسفے سے بھی قطعاً نابلد ہیں اسی لیے وہ ایسی بات کی جسارت کررہے ہیں کہ سائنس کا مقصد اشیاء کی حقیقت معلوم کرنا ہے۔یہ خیال سترہویں صدی میں تو پیش کیا گیا تھا لیکن کانٹ کی تنقید عقل محض اور اخلاقیات مابعد الطبیعیات کی اشاعت کے بعد یہ تصور سائنس کی دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت کردیا گیا......ڈاکٹر صاحب سائنس اور سرمایہ داری کے تعلق سے قطعاً واقف نہیں۔وہ سرمایہ داری کی تاریخ سے لاعلم ہیں اور صرف اپنے توہمات کو دینی تعبیر دے کر خواہ مخواہ اسے اسلام پر تھوپنا چاہتے ہیں۔سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ شام ہمدرد میں کسی ایک نے ان کی تقریر پر اعتراض نہیں کیا اور عبدالماجد دریا آبادی زندگی بھر ڈاکٹر صاحب کے قصیدے لکھتے رہے۔راسخ العقیدگی کی آڑ میں بلاشبہ ڈاکٹر رفیع الدین نے اسلام کو جدید بنانے کی نہایت مخلصانہ کوششیں کیں۔لیکن محض ان کا اخلاص ان کے جرائم کا کفارہ نہیں بن سکتا۔اگر کوئی نہایت اخلاص سے امت کا برا چاہے تو اخلاص کی بنیاد پر

درگزر ممکن نہیں۔ جس شخص کو مغربیت، جدیدیت، سرمایہ داری، جدید سائنس ٹیکنالوجی، استعماریت کے مباحث کا گہرا شعور نہ ہو اسے امت کی راہنمائی کے منصب پر فائز ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ مغرب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے وہ مغرب کی عظمت مسلمانوں کے دل پر نقش کرنے کے لیے لاطائل دلائل کا انبار لگا رہے ہیں۔ جس کی کوئی تاریخی، علمی اور تحقیقی فلسفیانہ بنیاد نہیں۔ جہالت کی بناء پر مغرب کو سند دی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین جیسے راسخ العقیدہ مفکر و فلسفی اور ماہر اقبالیات کے غلط سلط افکار و خیالات کا پہلا علمی محاکمہ جس سے اسلامی جدیدیت کا نیا چہرہ آشکار ہوتا ہے۔‘‘ (صفحہ 57-56 ساحل مئی 2008)

دین کے ایک مخلص و متقی خدمتگار ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے بارے میں جامعی صاحب کون سی زبان استعمال کر رہے ہیں؟ ذرا وہ خود ہی غور فرمائیں تو بہتر ہوگا: ’’علم کی دنیا میں یہ نہایت جاہلانہ دعویٰ‘‘۔ ’’ڈاکٹر صاحب دین کی روح اور اس کے مزاج سے بھی قطعی ناواقف ہیں‘‘ ’’ڈاکٹر صاحب سائنس سے بھی ناواقف ہیں‘‘، ’’وہ سائنس کے مقاصد اور فلسفے سے بھی قطعاً نابلد ہیں‘‘، ’’ڈاکٹر صاحب سائنس اور سرمایہ داری کے تعلق سے قطعاً واقف نہیں‘‘، ’’محض ان کا اخلاص ان کے جرائم کا کفارہ نہیں بن سکتا۔ نہایت اخلاص سے امت کا برا چاہے تو اخلاص کی بنیاد پر درگزر ممکن نہیں۔ یہ لوگ مغرب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے یہ مغرب کی عظمت مسلمانوں کے دل پر نقش کرنے کے لیے لاطائل دلائل کا انبار لگا رہے ہیں۔ جس کی کوئی تاریخ علمی تحقیقی فلسفیانہ بنیاد نہیں۔ جہالت کی بناء پر مغرب کو سند دی جا رہی ہے‘‘۔

غور کا مقام ہے کہ سید جامعی صاحب پورا زور بیان صرف کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کو علم و عقل سے پیدل قرار دیتے ہوئے ان پر مغرب کی عظمت مسلمانوں کے دل پر نقش کرنے کے لیے لاطائل دلائل کا انبار لگانے اور جہالت کی بناء پر مغرب کو سند دینے کی فرد جرم عائد کر رہے ہیں مگر دلیل اور حوالہ نایاب۔ کیا یہی علمی انداز ہے؟ حالانکہ انہی اقتباسات میں وہ محترم ڈاکٹر رفیع الدین کا جو حوالہ درج کر رہے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرحوم سائنس کی ملحدانہ و مادہ پرستانہ مابعد الطبیعیات کو موحدانہ بنانا چاہتے تھے محض اس ’’جرم‘‘ میں جامعی صاحب نے ان پر اتنی سنگین اور بھیانک فرد جرم عائد کر دی۔ جس کی سرے سے ہی کوئی اصالت، اصابت، حکمت، حقیقت اور بنیاد موجود نہیں۔ کیا جامعی صاحب علمی تنقید و جرح کے نہایت اہم اور نازک کام کو کسی تھانیدار کی طرح سرانجام دینا چاہتے ہیں کہ جس کے خلاف دل چاہا اپنی مرضی کی F.I.R. تیار کر لی۔ نہیں بلکہ زیر بحث رویہ تو مذکورہ نہایت جاہلانہ اور بدعنوان رویہ سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھتا ہے اور خود ہی جج بن کر فرد جرم بھی عائد کر دیتا ہے۔

آنجناب سائنس اور اسلام کے کسی بھی تعلق اور حوالہ کے ذکر پر کس حد غضبناک ہو جاتے ہیں اور شدید برہمی کا اظہار کرتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ ایسی کسی بھی سوچ کو نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ اور

صحابہ کرام کی توہین ثابت کرنے اور مخالف فکر کے حامل کو مجروح وزخمی کرنے کے لیےلفظوں کے تیروں سے اپنا ترکش خالی کردیتے ہیں۔ہم یہاں یہ بحث نہیں چھیڑنا چاہتے کہ سائنس کی اصلیت کو موحدانہ قرار دینے اوراسے اپنی اس اصل موحدانہ مابعدالطبیعیات کوقبول کرانے کی سوچ کیوں اور کیسے انبیاءعلیہم السلام اورصحابہ کرامؓ کی توہین قرار پاتی ہے؟اورجس طرزِ استدلال کا اظہار جامعی صاحب فرمارہے ہیں اگر اسی کودرست مان لیا جائے تو پھر مسلمانوں میں سے بڑے بڑے نام خاص طور پر خلفائے راشدین،علمائے دین،فقہاء کرام اور محدثین عظام اس الزام کی زد میں آجاتے ہیں۔یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہمیں آنجناب کی دیانت اورعقل دونوں پر شبہ ہونے لگتا ہے۔

آنجناب سائنس کواسلام مخالف مابعدالطبیعیات سے پاک کرنے کے تصور کی شدت سے مخالفت کرتے ہوئے اخلاق وآداب کو بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں،اس کا کچھ اندازہ ان کے درج ذیل اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

''عالم اسلام کے جدیدیت پسند مسلم مفکرین جہالت میں مبتلا ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کا انسان صرف خدا پیغمبر اور اسلام کو قبول کرنے کے لیےصرف اورصرف کسی مضبوط عقلی دلیل یا سائنسی مشاہدہ کا منتظر ہے جیسے ہی جدید علم کلام وہ دلیل اور سائنسی مشاہدہ مہیا کردے گا مغرب مسلمان ہوجائے گا۔دنیا کی پوری تاریخ ان جہلاء کے اس مفروضے کی نفی کرتی ہے۔''(صفحہ 79 ساحل مئی 2008)

[''جدید سائنس سے مذہب کا اثبات یا روحانیت کوثابت کرنے کی روایت ایک مجھول روایت ہے جس کی علمی بنیادیں نہیں ہیں۔رینے گینوں اورروایت کے مکتبہ فکر کی کتابیں ان بنیادوں کوعلمی طور پر غلط ثابت کرتی ہیں،جدید سائنس کومعروضی آفاقی اورغیر اقداری سمجھنے کے باعث خلط مبحث پیدا ہوا ہے جبکہ جدید سائنس ایک خاص تاریخ،تہذیب،علمیات،الہیات،اعتقادات،مابعدالطبیعیات،ثقافت سے طلوع ہوئی ہے۔علامہ اقبال اور اکثر وبیشتر جدیدیت پسند مسلم مفکرین جدید سائنس کے مابعدالطبیعیاتی پس منظر سے ناواقف ہونے کے باعث اسے اسلام،دین،مذہب،روحانیت کا ممد ومعاون سمجھ لیتے ہیں۔ساحل]
(ساحل دسمبر 2006 صفحہ 62)

''اس جاہلانہ نقطہ نظر کا جائزہ کہ تجدد......اورروایت...... کے درمیان تطبیق وتلفیق ممکن ہے اورروشن خیالی کی فکر...... اور فکر اسلامی...... کے درمیان مشترک عنصر، مشترک اساس، عقل......جدید سائنس......بن سکتے ہیں''(ساحل اپریل 2008 صفحہ 60-59)

محترم جامعی صاحب کا اپنی سوچ سے مختلف سوچ رکھنے والے مصلحین کوطعن وطنز کا نشانہ بنانے کا ایک انداز یہ بھی ہے:

☆ ''جولوگ ہمارے پچھلے تمام مصلحین کے خوابوں پر اعتبار کرتے ہیں محمد علی پاشا، مفتی محمد عبدہ، جمال الدین افغانی اور ترکی کے سعید نورسی، علامہ محمد اقبال اور ایسے دوسرے حضرات کے خواب اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح بیک وقت مغرب کی سی ٹکنالوجی کی طاقت بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں اور اسلام کے تصور کائنات اور اسلامی مابعد الطبیعیات کے بھی وفادار رہ سکتے ہیں یہ لوگ خود بھی ناممکن کا خواب دیکھ رہے ہیں اور یہی خواب امت مسلمہ کو بھی دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں'' (ساحل اپریل 2008 صفحہ 94)

☆ ''عالم اسلام یہ چاہتا ہے کہ مغرب نے دنیاوی لذتوں سہولتوں کے لیے جو ٹیکنو سائنس ایجاد کی ہے اس کی تمام مصنوعات وہ حاصل کر لے لیکن اس کے اندر اسلام کی روحانیت داخل کر دے لیکن انہیں نہیں معلوم کہ ٹرائے کی جنگ کے ٹروجن ہارس...... کے پیٹ میں اس تہذیب مابعد الطبیعیات، تاریخ اور فلسفے کا لشکر چھپا ہوا ہوتا ہے جس تہذیب نے وہ گھوڑا تخلیق کیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گھوڑا کوئی بھی تخلیق کر لے ہم اس پہ بسم اللہ پڑھ کر اسے اپنی قدر کے مطابق ڈھال لیں گے۔ ٹیکنو سائنس کی ایجادات غیر اقداری نہیں ہوتیں، یہ خالص اقداری ہوتی ہیں۔ یہ تلوار، چھری یا خنجر یا نشتر نہیں ٹیکنو سائنس ہے اس میں سرمایہ داری کے سوا کوئی اور قدر داخل نہیں کی جا سکتی۔'' (صفحہ 182 جدیدیت، عہد حاضر اور اسلام از سید خالد جامعی)

☆ ''جدید سائنس اور ٹکنالوجی کے دائرے میں صرف مادیت ہی باقی رہ گئی۔ اس کا تعلق صرف مادہ پرستی کی اقدار سے وابستہ ہو گیا ہے اور دیگر تمام اقدار سے منقطع ہو گیا ہے لہٰذا جدید سائنس میں روحانیت، اسلام اور مذہبیت داخل کرنے کی کوشش اس سائنس کی حقیقت، حیثیت، کیفیت اور تاریخ سے ہماری عدم واقفیت ہے۔'' (صفحہ 178 جدیدیت، عہد حاضر اور اسلام از سید خالد جامعی)

☆ ''ٹیکنو سائنس کے پیچھے اگر غلط فلسفہ، غلط اعتقادات، غلط مابعد الطبیعیات نہ ہوتی تو دنیا کو اس تباہ کن صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑتا اب اگر کچھ لوگ اس ٹیکنو سائنس میں اللہ رسول کا نام ڈال کر اسلامی فریج اسلامی اے سی بنانا چاہتے ہیں تو وہ بہت سادہ لوح لوگ ہیں ہمیں ان کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں مگر ان کی علمی استعداد...... حد درجہ مشکوک ہے۔'' (صفحہ 184 جدیدیت، عہد حاضر اور اسلام از سید خالد جامعی)

درج بالا اقتباسات سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ٹیکنو سائنس کو اسلامی اقدار کے دائرے میں محدود کرنے اور اس کی مابعد الطبیعیات کو توحید سے ہمکنار کرنے کی کوئی بھی سوچ جامعی صاحب کے نزدیک مردود قرار پاتی ہے۔ اور وہ ایسی ہر سوچ کو جاہلانہ قرار دینے کے بعد جب اچھی طرح اپنا غصہ اتار لیتے ہیں تو پھر ''اسلامی فریج'' اور ''اسلامی اے سی'' کے لفظوں کے ذریعے سے مخالف سوچ پر طنز، ٹھٹھا اور استہزاء کے تیر برسانا شروع کر دیتے ہیں۔

البرہان جنوری 2013 کے شمارے میں محترم جامعی صاحب نے شکوہ کیا ہے کہ:

''مجھے اس بات پر بھی حیرت ہے کہ البرہان جو ایک علمی و تحقیقی رسالہ ہے اس میں راقم الحروف کے خلاف بغیر کسی حوالے کے تفصیلی مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ مدیر محترم کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمی رسالے میں بغیر حوالوں کے تنقید شائع نہ کریں۔''

محترم جامعی صاحب گواہ رہیں کہ ہم نے ان کا یہ گلہ دور کر دیا ہے اور ان کی خواہش کے عین مطابق مکمل حوالوں کے ساتھ ان کی سوچ کا معمولی سا تجزیہ پیش کیا ہے۔ امید ہے کہ اس مضمون کو وہ نہ صرف البرہان میں شائع کرنے کی اجازت دیں گے بلکہ ''ساحل'' کی آمدہ اشاعت میں بھی اسے شائع فرما کر اپنے اس قول (اگر اسے معتبر مان لیا جائے) کو بھی نبھائیں گے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم آپ سے صرف یہ استدعا کرتے ہیں کہ ساحل کا بے رحمانہ ناقدانہ جائزہ لیتے رہیں، اس کے لیے قلمی تعاون فرمایئے، ہماری اغلاط پر متنبہ کیجیے'' (ساحل دسمبر 2006 صفحہ 1)

آخر میں ضروری محسوس ہوتا ہے کہ البرہان جنوری 2013 کی اشاعت میں محترم جامعی صاحب نے اپنے مضمون میں جس علمی خیانت کا ارتکاب فرمایا ہے اس کی نشاندہی بھی کر دی جائے۔ آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''برادرم محمد رشید صاحب نے جو الزامات راقم پر عائد کیے ہیں اور سائنس و ٹیکنالوجی کے حق میں جو کچھ دلائل دیے ہیں وہ ان کے الفاظ میں درج کیے جا رہے ہیں تا کہ ان کا حقیقی موقف اور اس موقف کی کمزوریاں انہیں کے الفاظ میں واضح ہو جائیں''۔

اس کے بعد دیگر مختلف باتوں کے ساتھ درج ذیل الفاظ کو بھی مجھ سے منسوب کر کے اسے میرا موقف قرار دیا ہے:

۱۔ ''مسیحیت نے سائنس کو قائدانہ کردار دیا ہم بھی اسے یہی کردار دیں تا کہ مغرب اسلام کی گود میں آ جائے۔''

۲۔ ''علوم عقلیہ کے سائنسی سیکولر اداروں سے ہی دین کے سچے مخلص انقلابی سپاہی اور انقلابی قیادت ابھر رہی ہے جبکہ علوم نقلیہ کے دینی مدرسوں سے سیکولر اسلام دشمن لوگوں کی فوج اور قیادت ابھر رہی ہے............سائنسی تعلیم کے ادارے اب درس قرآن کے نور سے جگمگا رہے ہیں جبکہ دینی اداروں میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔''

درج بالا دونوں اقتباسات کو محترم جامعی صاحب نے راقم سے منسوب کیا ہے۔ کیا آنجناب بتا سکتے

ہیں کہ البرہان کی جون، نومبر، دسمبر 2012 اور جنوری، فروری 2013ء کی اشاعتوں میں شائع ہونے والے مضامین میں سے میرے کون سے مضمون کے کس صفحے سے یہ اقتباسات/ الفاظ لیے گئے ہیں؟ کیا اسی کو علمی انداز کہتے ہیں کہ دوسرے کے کلام میں شریرانہ تصرف کرنے کے بعد اسے دوسروں سے منسوب کر دیا جائے؟ مجھے عرض کرنے دیجیے کہ علم وتقویٰ کے زعم میں مبتلا ہر وہ خود پسند عالم جو دلیل کے میدان میں اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے تو اپنے مخالف کو مزہ چکھانے کے لیے اس کے کلام میں شریرانہ تصرف کرنے اور اس میں ''فتنہ'' (گمراہی) کا عنصر ڈالنے کے بعد اسے اپنے مخالف سے منسوب کر دیتا ہے۔ اہل دین ومذہب کے بگاڑ اور زوال کی تاریخ ان جرائم سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے محترم سید خالد جامعی صاحب کو کم از کم ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے ایسا کر کے سوائے اعتبار گنوانے کے اور کچھ حاصل نہیں کیا۔

آپ ایک ایسے شخص کے سامنے موجود چند صفحات پر مشتمل تازہ ترین مضامین کے اقتباسات کو دہراتے ہوئے علمی بدعنوانی وخیانت کے ارتکاب سے اپنے آپ کو نہیں روک سکے تو آپ پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ اپنے زعم میں علمی مباحث کے دوران غیر موجود اہل علم کی تصانیف سے حوالہ جات/ اقتباسات کو دہراتے ہوئے اس مجرمانہ فعل سے اپنے آپ کو روک پائیں گے۔

میری تحریروں میں من مانی تبدیلی/ ترمیم کر کے اور ان میں گمراہی اور شرارت کا مفہوم پیدا کرنے کے بعد یہ اعلان کرنا کہ وہ میرے ہی الفاظ میں میرا موقف درج کر رہے ہیں، یہ طرز عمل ایک بے ہودہ مذاق اور سنگین علمی بد دیانتی کے سوا اور کیا ہے؟ جامعی صاحب کی تحریروں کے مطالعہ کے بعد سنجیدہ علمی موضوعات ومباحث میں آنجناب کی سنجیدگی، معقولیت اور دیانت تینوں کے بارے میں ہم پہلے ہی شک میں مبتلا تھے، جو آنجناب کی اس کھلم کھلا خیانت سے یقین میں بدل گیا ہے۔ ان کے اس رویہ سے کم از کم ہم پر یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو چکی ہے کہ سنجیدہ علمی موضوعات پر مباحثہ اور گفتگو کے لیے جو علمی دیانت اور معقولیت مطلوب ہے ان ہر دو پہلوؤں سے آنجناب ساقط الاعتبار ہیں۔ امید ہے ہماری اس صاف گوئی پر وہ ہم سے درگزر فرمائیں گے۔

ہمیں اس بات کا بے حد دکھ اور قلق ہے کہ ہمارے بے رحم اور بے لاگ تجزیہ کے نتیجہ میں ایک قابل اور صاحب مطالعہ حامل علم و دین کا اعتبار اور استناد بے نقاب ہو گیا ہے۔ شاید اسی خوف سے ہم تفصیلی حوالہ جات کے ساتھ تجزیہ کرنے سے کتراتے رہے تھے کہ کہیں تجزیے ومحاکمہ کے بعد ہم کسی دکھ دینے والے نتیجے تک نہ جا پہنچیں۔ لیکن محترم سید خالد جامعی صاحب کی برہنہ علمی بدعنوانی اور مطالبہ کے بعد ہم پر لازم ہو گیا تھا کہ حقائق کا باحوالہ و بے لاگ تجزیہ کر کے نتائج تک پہنچا جائے۔ ہم سید خالد جامعی

صاحب کا دل سے احترام کرتے ہیں مگر یہ احترام ان کے بارے میں تکلیف دہ سچ کے اظہار سے ہمیں نہیں روک سکتا۔ ہم مانتے ہیں کہ دستیاب مواد کی روشنی میں ہم کسی خوشگوار نتیجے تک نہیں پہنچ سکے لیکن اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ بھی تو نہ تھا۔

کذب وفریب کی گھٹا ٹوپ اور طویل اندھیری راتوں کو سہتے سہتے اعصاب شل ہو گئے ہیں اور صدق وصفا کی سہانی صبح کے انتظار میں آنکھیں تھک گئی ہیں۔ ایسے میں یہ کھٹکا کہ کہیں کذب کی اندھیری رات زیادہ طویل نہ ہو جائے اذیتناک ہو جاتا ہے اور انسان کسی بھی تعمیری و تحقیقی کام کو ہاتھ لگانے سے بھی کتراتا ہے۔ شاعر کے الفاظ میں ؎

ہم کیا کرتے، کس راہ چلتے ہر راہ میں کانٹے بکھرے تھے
جس راہ چلے جس سمت گئے یوں پاؤں لہولہان ہوئے

استفسارات مدیر

جدید، جدیدیت، تجدید، تجدد میں فرق

سوال: جدید، جدیدیت، تجدید، تجدد، مجدد، متجدد وغیرہ کی اصطلاحات پڑھ اور سن کر میں کنفیوز ہوتا ہوں کہ یہ اسلامی تناظر میں کس حد تک ایک دوسرے کے مخالف یا مطابق ہیں؟ اگر آپ ان کی ایسی وضاحت کر دیں کہ ان کے مفاہیم نکھر کر سامنے آجائیں اور فکری انتشار سے جان چھوٹے تو شکر گزار ہوں گا۔

جواب: یہ اصطلاحات فی الواقع آج کے عصری اسلامی تناظر میں بہت اہم ہیں اور ان کے بارے میں ذہن واضح ہونا چاہیے۔ ہم نے چند سال پیشتر اس موضوع پر کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ خطۃ البحث (فہرست موضوعات یا synopsis) بنایا اور کام شرع کر دیا لیکن پھر مشغولیتوں کا انبار کہیں اور دھکیل کر لے گیا۔ بہر حال ان اصطلاحات کی مختصر وضاحت حاضر خدمت ہے:

جدید

جدید ہر وہ چیز ہے جو نئی ہو۔ نئی چیز یا نئی بات اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ بطور اصول نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر اس نئی چیز، بات اور فعل کو نا قابل قبول قرار دیا ہے جس کی اصل دین (یعنی قرآن وسنت) میں نہ ہو ۔جمہور علماء اس بات کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جس نئی چیز کی اصل قرآن وسنت میں ہو وہ جائز ہے یعنی نصوص قرآن وسنت میں اگر کوئی اصول موجود ہو تو اس پر قیاس کرتے ہوئے یا اس سے اخذ واستنباط کرتے ہوئے یا ان کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے جو نئی بات سامنے آئے گی وہ قابل قبول ہوگی۔ یہ مؤقف ائمہ اربعہ اور اہل تشیع کا ہے سوائے ظاہریہ کے جو نصوص کی ظاہری، لفظی اور لغوی تشریح (Literal interpretation) کے قائل ہیں بالمقابل مذاہب اربعہ اور اہل تشیع کے جو نصوص کو معقولۃ المعنی سمجھتے ہوئے ان کی تفسیری یا توسیعی توضیح Literal interpretation) کے قائل ہیں۔ اس کی ہم صرف ایک مثال دے کر آگے بڑھ جائیں گے کہ حضرت عمرؓ نے جب باجماعت تراویح کا حکم دیا تو اسے نعم البدعہ یعنی اچھا نیا کام اس لیے قرار دیا کہ وہ اس کام کی ابتداء کرنے والے نہیں تھے بلکہ دین میں اس کی اصل موجود تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند دن جماعت سے تراویح پڑھائی تھیں ۔آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی تنظیم نو کر دی۔

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجا گیا دین قیامت تک کے لیے قابل عمل رکھنا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے اور آپ کے بعد کوئی نیا دین اور نئی شریعت آنے والی نہ تھی لہذ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت وحکمت سے اس دین کا ڈھانچہ یوں استوار کیا کہ اس کا ایک بنیادی اور بڑا حصہ جامد اور static رکھا ہے جس میں تغیر وتبدل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت وحکمت جیسے عقائد، عبادات اور اخلاق۔ ان میں کسی جدید اضافے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے بارے میں ٹھوس تقلیدی ذہن ہونا چاہیے کہ ان کی ہو بہو پیروی کرنا ہے اور ان سے سر مو آگے پیچھے نہیں ہونا۔ یہی شارع کا حکم ہے اور یہی عقل وحکمت کا تقاضا ہے۔ البتہ دین ہی کا ایک بڑا دائرہ معاملات اور تمدنی ترقی کا ایسا ہے جس میں جدت اور نیا پن مطلوب و مستحسن ہے اور اس میں ہرگز کوئی برائی اور مذمت کا پہلو نہیں ہے اور نہ علماء وفقہاء امت نے، خواہ قدیم ہوں یا جدید، کبھی اس کی مذمت کی ہے مثلاً زراعت، صنعت، تجارت تعلیم، قانون وغیرہ جن کا دائرہ آج کی سوشل سائنسز (عمرانی علوم) سے لے کر سائنس وٹیکنالوجی تک وسیع ہے مثلاً عہد نبوی میں جہاد تیروں، تلواروں اور گھوڑوں سے ہوتا تھا لیکن کبھی کسی اہل علم نے نہیں کہا کہ جنگی بحری جہاز اور منجنیق بنانا اور بارود کے دریافت ہونے پر بندوقوں اور توپوں کا استعمال غلط ہے یا عصر حاضر میں جدید اسلحہ یعنی ٹینکوں، میزائلوں، جنگی جہازوں، ایٹم بم وغیرہ کا استعمال غیر شرعی ہے۔ اسی طرح موجودہ طرز کی سڑکیں، عمارتیں، فرنیچر، سکول، ڈاک خانے، بجلی، ٹیلی فون، فریج، اے سی، کمپیوٹر وغیرہ نہیں ہوتے تھے اور یہ نئی ایجادات ہیں لیکن مسلم اہل علم نے کبھی محض ان کے نیا یا جدید ہونے کی بنیاد پر ان کے خلافِ شرع ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور انہیں احداث فی الدین اور بدعت کہہ کر رد نہیں کیا۔ ہاں ان کے غلط اور غیر شرعی استعمال سے وہ ہمیشہ متنبہ کرتے رہے ہیں۔

تاہم یہ ذہن میں رہے کہ اہل سنت میں بھی قبول جدید کے حوالے سے اختلافات موجود ہیں اور اس کے لیے بدعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں ابداع (بدیع اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یعنی معدوم سے تخلیق کرنے والا) کا مطلب ہے کوئی نئی چیز بنانا، ایجاد کرنا۔ گویا بدعت کا مطلب ہے دین میں کسی ایسی نئی چیز کا اضافہ کرنا جو اصلاً اس میں نہ ہو۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بہت سے اہل علم اوراد و اشغال کے نام پر ایسے الفاظ، ایسے طریقے، ایسی ہیئت سے اور مخصوص تعداد میں ادا کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے جو منصوص نہ ہوں (کہ ان کی رائے میں یہ عبادت نہیں معالجۂ نفس ہے) لیکن بہت سے دوسرے اہل علم اسے عبادات میں شمار کرنے کی بناء پر ناقابل قبول سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عید میلاد کا معاملہ ہے کہ بعض اہل علم اسے مقاصد شریعت کے مطابق بلکہ ان کے لیے مفید سمجھ کر اس پر عمل کرنا مناسب سمجھتے ہیں جب کہ دوسرے اہل علم اس کا شمار بدعت میں کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں احناف کا موقف اس معاملے میں راجح ہے جو اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ نصوص پر قیاس اور ان سے استنباط کیا جائے، مقاصد شریعت کو سامنے رکھا جائے اور مباحات کے دائرے میں "فلاں چیز سنت کے مطابق نہیں ہے" کے ساتھ ساتھ "فلاں چیز سنت کے خلاف نہیں ہے" (بقیہ صفحہ ۳۶ پر)

تبصرہ کتب　　　مدیر

مغرب زدہ مسلمانوں کے نام

از مولانا نثار احمد خاں فتحی

زوال اور انحطاط کی پچھلی دو تین صدیوں میں عالم اسلام اور برصغیر پاک و ہند میں علماء کرام و شیوخ کا رویہ بالعموم استعمار دشمنی اور مزاحمت کا رہا ہے لیکن یہ دیکھ کر ناقابلِ فہم حیرانی ہوتی ہے کہ اس رویے نے علمی و فکری میدان میں مغربی فکر و تہذیب کے خلاف مزاحمت کا اسلوب اختیار نہیں کیا۔ ہمارے دینی مدارس کا نصاب تعلیم ہو یا علماء کرام کا تصنیفی و تبلیغی کام کہیں مغرب فکر و تہذیب کے استیلاء کے خلاف مؤثر مزاحمت نظر نہیں آتی بلکہ عدم اعتناء کا رویہ سامنے آتا ہے، نہ مثبت نہ منفی، الا ماشاءاللہ۔ ان حالات میں حضرت نثار احمد خاں فتحی صاحب کا دم غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انہوں نے "پاکستان میں مغربی ثقافت اور ملحدانہ افکار کا نفاذ اور اس کے اسباب" کے نام سے کتاب شائع کی اور پھر "مغرب زدہ مسلمانوں کے نام" سے ایک تحریر قلم بند کی ہے جس میں ان مسلمانوں کو جو مغربی فکر و تہذیب سے مرعوب و متأثر ہیں، یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام جیسے سورج کی روشنی میں انہیں مغرب کے

دیئے اور شمع کی روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔انہوں نے اسلام کے بنیادی تصورات کی ضرورت واہمیت پر اس طرح گفتگو کی ہے ان کا سائنسی، عقلی اور پرُ حکمت ہونا واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے اور مغرب کا اسلام دشمن رویہ بھی مبرہن ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب مؤثر ہے اور مؤلف کے دردِدل اور ذہنِ رسا کی عکاس ہے اگرچہ مؤلف نے ازراہِ انکسار اپنے نام کے ساتھ مولانا، علامہ، شیخ وغیرہ کا سابقہ اختیار نہیں کیا جو ان کی سچائی اور عظمت پر دال ہے۔اس تحریر کو آئندہ ایڈیشن میں مزید مؤثر بنانے کے لیے، اگر مؤلف محسوس نہ کریں تو ہماری مندرجہ ذیل تجاویز پر غور فرمالیں:

کتاب کسی عربی دان عالم اور ماہرِ زبان ادیب کو دکھالی جائے تاکہ زبان و بیان اور املاء وغیرہ کی خامیاں دور ہو جائیں۔

جہاں دوسرے بزرگوں کا نام لے کر کوئی بات کہی گئی ہے مثلاً امام غزالی ؒ کہتے ہیں ،مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے یہ فرمایا ہے۔۔۔۔وہاں ان کا حوالہ دے دیا جائے۔

مؤلف چونکہ صوفی او پیر طریقت ہیں لہذا انہوں نے مختلف طرق سے اپنا شجرۂ طریقت بھی کتاب کے آخر میں دے دیا ہے حالانکہ کتاب کے موضوع کے حوالے سے اس کی کوئی ضرورت اور مناسبت نظر نہیں آتی۔کتاب میں فنّی صاحب کی نظمیں بھی موجود ہیں۔۱۵۰ صفحات کی یہ کتاب مضبوط جلد کے ساتھ عمدہ سفید کاغذ پر چھپی ہے اور اس پر قیمت درج نہیں ہے۔ یہ مکتبہ الشیخ ،۳۔۴۴۵ بہادر آباد کراچی (۵) اور ملک کے مختلف شہروں کے دینی مکتبوں سے دستیاب ہے۔

(۲)

منہاج الفرقان بین علم اللہ و علم الانسان

از خضر یٰسین

مصنف اقبال اکیڈمی میں محقق اور معروف پاکستانی فلسفی ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے تلمیذ خاص ہیں۔کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر فاروقی صاحب وفات سے کچھ عرصہ قبل منہاج الفرقان کے نام سے ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے جس میں علم بالوحی اور انسانی استعداد کے زائیدہ علم میں فرق و امتیاز کو مزید واضح کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی وفات کی وجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔اب مصنف نے انہی کے منہج فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کتاب تالیف کی ہے اور اس کا نام بھی منہاج الفرقان ہی رکھا ہے۔

مصنف کی رائے میں:

"قرآن مجید کو انسانی استعداد کے زائیدہ متون کی طرح فرض کر لینے کا اثر یہ ہے کہ انسانیت کی ہدایت کے لیے متبادل متون وضع کر لیے گئے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج قرآن مجید سے حاصل ہونے والے ہدایت کے نتائج فرض کر لیے گئے ہیں۔ اس کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ قرآن مجید سے زندگی میں کسی تبدیلی کی توقع مذہبی ذہن میں مایوسی کی حد تک ناپید ہوگئی۔ مذہبی ذہن قرآن مجید سے بھی اسی طرح کی ہدایت کی توقع رکھتا چلا آیا ہے جیسی وہ کسی فقہ کی کتاب سے رکھتا رہا ہے۔ جدید مذہبی ذہن قرآن مجید کی حقانیت طبعی علوم کے حاصلات سے ثابت کرنے کی سعی میں مصروف ہے۔ قدیم اور جدید مذہبی طبقات قرآن مجید کو علوم کا ماخذ مانتے ہیں اور "علم" تسلیم کرنے میں متردد ہیں۔ وہ قرآن مجید سے ایسے ایسے علوم دریافت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جن کا انتساب قرون اولیٰ کے اصحاب کی طرف کرنا تو درکنار خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ وہ یہ سوچنے کی ضرورت ہی

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِ اعانت سالانہ 400 روپے　　　تاحیات 5000 روپے

دینی مدارس اور یونیورسٹی طلبہ و طالبات کے لیے　250 روپے سالانہ

نام.. پتہ...

فون ....

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ B-369، فیصل ٹاؤن، لاہور بھجوائیے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ھیں

Inner of back Title

محسوس نہیں کرتے کہ قرآن مجید سے جس فہم و دانش کو اللہ کے رسول ﷺ نے حاصل نہیں فرمایا وہ کہاں سے جائز ہو جائے گی؟"

کتاب کے پانچ ابواب ہیں جو پانچ مستقل مضامین ہیں ۔" پہلے باب (تقصیر متن : مفہوم ومضمرات ۔ ترجمۂ قرآن مجید کا علمی انتقاد) میں تقصیر متن کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔"تقصیر متن" کی ترکیب اردو کے قارئین کے لیے نامانوس اور اجنبی ہے ۔ اس باب کا تفصیلی مطالعہ اس ترکیب کی اجنبیت کو ختم کرنے کا باعث ہوگا۔ تقصیر متن سے مراد کسی متن کا ایسا متبادل تیار کرنا ہے جو اصلی متن کے ناگزیر اوصاف کو محو کر دینے کا سبب بن جائے۔ کسی متن کے امتیازی اوصاف لازماً ناگزیر اوصاف نہیں ہوتے، البتہ ناگزیر اوصاف لازماً امتیازی اوصاف ہوتے ہیں ۔قرآن مجید کا متبادل ترجمہ کی صورت میں وضع کیا جائے یا تفسیر کی ۔صورت میں وہ قرآن مجید کے ناگزیر اوصاف کو ضائع کرنے کا باعث بنتا ہے، اسے ہم " تقصیر متن" کہتے ہیں ۔ دوسرے باب (قرآنی ہدایت کی معنویت اور مسلم مذہبی دانش) میں" ہدایت " کے محتویات کو موضوع بنایا گیا ہے اور یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید نبی ﷺ کے لیے جن معنوں میں ہدایت ہے فقط انہی معنوں میں " ہدایت " ہے ۔ نبی ﷺ کو جس الوہی ہدایت کی احتیاج تھی آج بھی قرآن مجید فقط اسی احتیاج کو رفع کرنے کا ذریعہ و ضامن ہے ۔ تیسرے باب کا عنوان " علم بالوحی اور علم بالقرآن " ہے جس میں دونوں علوم میں فرق اور امتیاز اور دونوں کی تحدیدات کو واضح کیا گیا ہے ۔ بالعموم علم بالقرآن کو علم بالوحی کا مترادف فرض کر لیا جاتا ہے حالانکہ علم بالقرآن انسانی استعداد کا زائیدہ علم ہے اور علم بالوحی انسانی استعداد کا زائیدہ علم نہیں ہے۔ چوتھے باب (قرآن " علم " ہے، ماخذِ علم نہیں ہے) میں مسلم فکر کی ایک اہم غلط فہمی کو رفع کیا گیا ہے ۔اس غلط فہمی کا تعلق قرآن مجید کی نسبت اس خیال سے ہے کہ وہ ماخذِ علم ہے ۔قرآن مجید علم بالوحی ہے اور اسے ماخذ علم فرض کرنے سے وہ انسانی استعداد کے زائیدہ علوم کی آماجگاہ بن جاتا ہے ۔ اس باب میں یہ واضح کیا گیا ہے قرآن مجید علم ہے اور ماخذ علم نہیں ہے ۔ پانچویں اور آخری باب میں حکم کی متمیز صورت پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حکم کو حالات کے مطابق بنانا اور شے ہے اور حالات کو حکم کے مطابق بدلنا ہو تو ہدایت کی احتیاج ہوتی ہے۔ انقلاب اور اجتہاد دو الگ الگ طرز احساس اور طرز عمل ہیں، ان دونوں میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی ۔قرآن مجید نبی ﷺ کی آرزو کے مطابق حالات کو بدلنے کی "ہدایت" ہے۔ اجتہاد کا محل منصوص حکم ہے اور نہ بن سکتا ہے، منصوص حکم غایت ہے جس کے مطابق حالات کو ڈھالنا ہے۔"

کتاب کی نوعیت کے بارے میں مولف کا کہنا ہے کہ یہ مضامین اور ان کے محتویات ہماری قدیم

back Title

علمی روایت کا علمی جائزہ اور فکری محاسبہ ہیں اور اس کے بعد اس کے مقصد تالیف کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

"ان مباحث سے غور وفکر کے نئے دروازے وا کرنے سے زیادہ کتاب اللہ کے عز و مجد اور علو مرتبت کا شعور پیدا کرنا ہے۔ ہماری مذہبی زندگی کا حیران کن المیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنے متعارف مصارف ہیں ان میں سے ایک کو بھی ہدایت کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ہم قرآن مجید کو جس طرح نظرانداز کررہے ہیں اس کی مثال مسلمانوں کے ماضی میں شاید مشکل سے ہی تلاش کی جاسکے۔"

بلاشبہ مصنف کا موقف قابل غور ہے لیکن بہرحال متنازعہ ہے۔ہم نے نقد ومباحثہ سے کام لینے کی بجائے کوشش کی ہے کہ انہی کے الفاظ میں ان کی کتاب کا تعارف کرادیا جائے تاکہ اہل علم ان کے موقف پر غور کرسکیں۔مصنف کا لہجہ فلسفیانہ اور اسلوب ادق ہے جو فہم مطالب اور ان کے ابلاغ میں مشکل پیدا کرسکتا ہے۔۱۳۵ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۲۵۰ روپے ہے اور یہ ادارہ فکر جدید، ۲ ریس کورس روڈ، لاہور سے دستیاب ہے۔